

دستور العمل

مصنفہ: عائشہ زاہد



www.novelskiduniya.com

All Rights Reserved/Don't copy without any Permission

Contact us on our fb page [NOVELS KI DUNIYA](#) OR Visit Our [Website](#) | [Channel](#) | [Instagram](#)

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔۔۔

السلام علیکم احباب۔۔۔۔۔

”ناولز کی دنیا“ کے ناولز میں خوش آمدید۔۔۔۔۔

ناولز کی دنیا (NKD) کی جانب سے ناولز کو بغیر کسی غلطی کے آپ تک پہنچانے کی کوشش کی گئی۔ اگر کوئی غلطی اس میں ملتی ہے تو اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔ کیونکہ ناول کو پورا پروف ریڈ کر کے ہی پبلش کیا جاتا ہے چوک ہونا محض اتفاق ہوگا۔۔

نئے اور مختلف لکھنے والوں کے لیے ”ناولز کی دنیا“ [ویب سائٹ / گروپ / پیج / یوٹیوب چینل](#) دے رہا ہے تمام لکھاریوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم جہاں آپ اپنی خدا داد صلاحیتوں کو اپنے قلم سے تحریر کر کے اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کر سکتے ہیں۔۔۔ اگر آپ کو بھی اللہ کی طرف سے یہ صلاحیت دی گئی ہے تو اسے اجاگر ضرور کریں۔۔۔ ہمیں آپ جیسے ہی لکھاریوں کی تلاش اور ضرورت ہے۔۔۔۔۔

اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں۔۔ اپنی تحریر اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ جتنا جلدی ہو سکا آپ کی تحریر پوسٹ ہو جائے گی۔۔۔

مزید تفصیلات یا کسی بھی طرح کی مدد کے لیے ہم سے گروپ یا پیج انباکس میں رابطہ کریں یا ای میل پر ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔۔

Email address :- Novelskiduniya77@gmail.com

Facebook page :- [Novels ki duniya](#)

(user name [@zoyatalib77](#))

Facebook group :- [Novels ki duniya](#)

Instagram Page :- [Nkd \(ZT\)](#) (UserName: [Novelskiduniya77](#))

[Youtube Channel: Novels Ki Dunya \(NKD\) Official](#)

(پر خیال رہے کہ یہ گروپ زویا طالب کا ہی ہو) اور باقی کے رابطے کے لیے ہر پیج کے نیچے [Blue](#) الفاظ میں لکھے لفظ میں آپکو

لنکس مل جائے گے شکریہ۔۔۔۔۔

”تنبیہ: لکھاری کے حقوق کی حفاظت کیلئے اہم پیغام“

اس ناول کے تمام جملوں کی حقوق مصنف یا لکھاری 'آسیہ زاہد' کے نام پر ہیں۔ کسی بھی صورت میں، اس ناول کے کسی بھی حصہ یا کہانی کو کسی دوسرے پلیٹفارم یا سوشل میڈیا پر شیئر کرنے سے پہلے، لکھاری کی اجازت حاصل کرنا ضروری ہے۔ بغیر اجازت کے کسی بھی شخص یا پلیٹفارم پر یہ ناول کا استعمال کرنے والوں پر سخت کارروائی کی جاسکتی ہے۔

اس ناول کو "ناولز کی دنیا" پلیٹفارم پر لکھاری کی اجازت کے ساتھ پبلش کیا جا رہا ہے، لہذا اگر یہ ناول اس پلیٹفارم کے علاوہ کہیں اور بھی ملتا ہے یا اس پی ڈی ایف کو استعمال کر کے مختلف جگہ پبلش کیا جاتا ہے تو اس کے خلاف قانونی کارروائی کی جاسکتی ہے۔

All Rights Reserved to the Writer “Aasiyah Zahid” And “Novels ki Duniya”. Publishing this novel or any part of this story is prohibited to any Website, Channel, Book and Any Digital Or Social Platform...

(یہ کہانی اور اس میں موجودہ کردار صرف تخیلات ہیں۔ کسی بھی واقعی کہانی یا شخص سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر کسی قسم کی مماثلت پائی جاتی ہے تو یہ صرف اتفاق سمجھا جائے گا۔)

پیش لفظ

میں اپنے رب کی نہایت شکر گزار ہوں جس نے مجھ قلم اٹھانے کی سکت دی۔۔۔

میری یہ تحریر دو لوگوں کے نام ایک میری والدہ محترمہ جنہوں نے مجھے لکھنا اور پڑھنا سیکھایا۔ اُس کے علاوہ ہمارے معاشرے میں ہر چھوٹے اور بڑے مسائل کو بچپن سے لے کر آج تک نہ صرف ہمیں آگاہ کیا بلکہ اُس کے کئی غلط اور سہی پہلو بھی ہم سے بیٹھ کر تفصیلی انداز میں بیان کیے۔ آج اگر میں اتنی گہرائی میں سوچ کر لکھ سکتی ہوں تو محض اُن کی بدولت۔ اس تحریر میں میری دوسری ساتھی ہے میری بہترین دوست فاطمہ عالم جس نے قدم قدم پر نہ صرف میری حوصلہ افزائی کی بلکہ اپنے بیش قیمتی وقت کو میری غلطیوں کی نشاندہی کرنے میں صرف کیا جس کے لیے میں اُس کی انتہائی مشکور ہوں۔ تو تحریر کا نام ہے 'دستور العمل' یعنی رواج، اصول اور قاعدہ۔ اب اگر کوئی کہانی اور اُس کے موضوع پر غور کرے گا تو حقیقتاً میرے بات کی تہہ تک رسائی حاصل کر لے گا۔ ہمارے معاشرے میں کئی جگہاں پر آج بھی غیرت کے نام پر قتل، بلی چڑھ جانا، خودکشی جیسے مسائل عام ہیں اور اس میں بھی کثیر تعداد عورتوں کی ہوتی ہے فقط صرف ایک چیزوں کی کمی کی بدولت اور وہ ہے بھروسہ۔ اب شاید اکثر لوگ میری اوپر کی گئی بات سے اختلاف رکھیں مگر آپ اگر توجہ دیں تو یہ سب کچھ آج بھی بہت عام ہے۔ اب لوگ بولیں گیں کہ ہر بار عورت ٹھیک نہیں ہوتی پر میں یہاں اقلیت کی نہیں بلکہ اکثریت کی بات کر رہی ہوں

ایک بار کھلے دماغ سے غور و فکر ضرور کیجئے گا۔ بحر حال کہانی کے دو کردار ہیں عون اسحاق اور زینہ بتول۔ میرے نزدیک سب سے مضبوط کردار عون اسحاق کا ہے کیونکہ اصل میں کہانی میں درست اقدام لینے والا، صحیح اور غلط کا تعین کرنے والا، اپنے فیصلوں میں اٹل اور سب سے بڑھ کر متضاد صنف پر اعتماد کر کے ایک بار پھر زینہ کو بے اعتباری سے اعتبار کے سفر تک پہنچانے والا وہی تھا۔ وہ تھا جس نے معاشرے کا دستور العلوم توڑا جہاں عورت کی وضاحت اور دلیلیں محض منہ زبانی سن کر رد کر دی جاتی ہیں اور اکثر جگہوں پر توصفائی کا موقع دیے بغیر اُس کی ذات سے منسلک فیصلے خود لے لیے جاتے ہیں۔ آپ جب بھی یہ تحریر پڑھیں تو کھلے دل و دماغ سے پڑھیے گا اور میری بات کی گہرائی کو سمجھنے کی بھرپور کوشش کیجیے گا۔ امید ہے آپ کو میری یہ تحریر پسند آئے گی۔

فقط مصنفہ آسیہ۔

(عمون اسحاق اور زینہ بتول کی زندگی کا افسانہ)

دستور العمل

از قلم: آسیہ زاہد

"گوذرا سی بات پہ برسوں کے یار انے گئے

لیکن اتنا تو ہوا کچھ لوگ پہچانے گئے

میں اسے شہرت کہوں یا اپنی رسوائی کہوں

مجھے سے پہلے، اس گلی میں میرے افسانے گئے

یوں تو میری رگِ جاں سے بھی تھے نزدیک تر

آنسوؤں کی دھند میں لیکن نہ پہچانے گئے

و حشیش کچھ اس طرح اپنا مقدر ہو گئیں

ہم جہاں پہنچے، ہمارے ساتھ ویرانے گئے
 اب بھی اُن یادوں کی خوشبو ذہن میں محفوظ ہے
 بارہا ہم جن گلزاروں کو مہکانے گئے
 کیا قیامت ہے کہ خاطر کشتہ شب بھی تھے ہم
 صبح بھی آئی تو مجرم ہم ہی گردانے گئے"

ابانت، ذلت، توہین اُس کے حواس پر کثافت طاری کرنے لگے۔ جھلستی آگ کے بھڑکتے شعلے جو اندر تک اتر کر
 جسم کرنے کے بجائے روح کو جلاتے محسوس ہوئے۔ حلق میں چبھتے کانٹے آواز کو دبا گئے۔ نیم والب پھڑپھڑاتے
 گواہی دینے کو بے تاب تھے پر رندھاگلا جیسے اجازت ہی نہیں دیتا تھا۔ تنفس بو جھل، کپکپاتا وجود، عرق آلود بے
 داغ پیشانی۔ سارے منظر جیسے سیاہ نین کٹولوں کے سامنے گڈ مڈ ہونے لگے۔ سانس اُکھارتا معلوم ہوا۔ پروہ بالکل
 جمود تھی ساکن گرم اور خشک موسم میں بھی اُس کا خون منجمد ہونے لگا۔ آگ کی لپیٹ ٹھاٹھے مارنے لگی۔ سیاہ ہرنی
 جیسی غزالی آنکھیں بالکل ویران اور بنجر معلوم ہونے لگیں۔ آہ و پکار، ماتم، سسکیاں، خرافات بکتے لب سب کچھ
 ایک ساتھ مل کر کان کے پردوں کو زخمی کرنے لگا اور اگر ہاتھ اٹھا کر انہیں روکنا چاہا تو ہاتھ ہلنے سے انکاری تھا۔
 "کیا بکواس کر رہا ہوں میں بکوگی اپنی زبان کھولو گی کہ نہیں؟" خون آشام نگاہیں، سپاٹ چہرہ ساری خوشیاں جیسے
 منٹوں میں تہس نہس ہو گئی تھیں۔

"یہ کیوں بولے گی جن کے دل میں ہی سیاہی ہو اُن کے منہ پر ایسے ہی قفل لگ جاتے ہیں۔" کینہ تو ز نظریں اُس زمین پر پڑے وجود پر مرکوز کیے ایک طنزیہ فقرہ اُچھلا گیا۔ اس بات سے بے نیاز کہ کی گئی بات بر چھپی کی مانند اُس کا دل کاٹ رہی تھی۔ پر بولنے والے کہاں کسی کا لحاظ کرتے ہیں؟

"اُٹھو بکونہ اب کیوں چپ ہو؟" وہ ایک دم سے دھاڑے تو گردن کی رگیں واضح ہونے لگیں۔ پھر جھپٹ کر جیسے اُس کا بازو بھینچا گیا۔ اس قدر سختی سے کے انگلیوں کی پوری اُس کی خدو خال میں پیوست ہونے لگیں۔ اُسے ایسا لگا کہ یک وہ عالم برزخ کی پستیوں میں گر گئی ہو۔ اُن کے روبرو کھڑے ہرنی آنکھیں وحشت سے پھیل گئیں۔ ماؤف دماغی میں بس یک ٹک اُس چہرے کو دیکھ رہی تھی جو اُس کا سائبان تھا، محرم، عزیم رشتہ۔

"بابا۔" بے آواز لب تھر تھرائے پر حلق اب بھی چیخ کر اپنی صفائی بیان کرنے کی اجازت نہ دے رہا تھا۔

"میری بیٹی میری گڑیا۔" کئی سال پہلے بولے گئے الفاظ اُس کے شعور میں گونجے۔ تو پھر اب کیا ہوا؟ کیا سامنے کھڑے شخص کو اپنی اولاد سے زیادہ لوگوں کی آنکھوں، کانوں اور زبانوں پر بھروسہ تھا؟ کیا اُس کی ذات کوئی وقعت نہیں رکھتی تھی؟ مان پر ضرب لگی اور سب کرچی کرچی ہو کر چھن سے ٹوٹا۔ گویا آخری اُمید، آس سب دم توڑ گئی۔ سیاہ آنکھوں سے بے بسی لاچارگی کے مارے آنسو قطرہ قطرہ گرنے لگے پر سامنے کھڑے وجود کے تاثرات میں مٹھی برابر فرق نہ آیا۔

"دیکھ رہی ہو کیسے باپ کو جھوٹے ٹسوے بہا کر بہکانے کی کوشش کر رہی ہے۔" ہتک آمیز لہجہ چہرے پر جمی استہزایہ مسکراہٹ۔ اور یہ وہ آخری بات تھی جہاں آکر پیمانہ لبریز ہو گیا صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹا پیشانی پر رگیں اُٹھنے اور معدوم ہونے لگیں، چہرے کے نقوش تنے۔ اتنی تذلیل کم سے کم اُسے تو برداشت نہیں تھی۔

"بس بول لیا آپ سب نے ہو گیا تماشہ اب بکو اس بند کریں۔" کونے میں کھڑا وہ جھکا منہ اٹھا کر وہ ایک دم سے غرایا۔ ایک لمحے کے لیے ہر جانب سکوت ہو گیا۔ پاس کھڑی بزرگ خاتون نے اُس کے کسرتی بازو پر زور دے کر اُسے شانت کرنے کی ایک بے جا کوشش کی۔ بادامی آنکھیں جن کی سرخ ہوتی ڈوریں ایک خوفناک منظر پیش کر رہی تھیں، خونخوار نگاہوں سے سب سہم گئے۔ پر ایک فقرہ پھر سے اچھلا۔

"لو آیا بڑا ہم درد کہیں کا۔" آتش فشاں پھٹنے کو بے تاب تھا۔ جیسے ہی وہ قدم آگے بڑھانے لگا اُس آدمی نے جکڑا بازو چھوڑ کر اُس لڑکی کو دھکا دیا اور ہوا میں ہاتھ بلند ہو کر اُس کے رخسار پر پڑا۔

"ایک لفظ تمہاری اس گندی زبان سے میں نے سنا تو سب لحاظ بھول جاؤں گا۔" کوئی ہنسا تو کسی نے منہ پر ہاتھ دھر لیا۔ اُس لڑکے کے بڑھتے قدم وہی پر جم گئے۔ نگاہیں ہنوز اب بھی سامنے کھڑے ضعیف شخص پر تھیں

"عون۔" پیچھے سے نقاہٹ بھری آواز اُس کی سماعت میں پڑی اور شانے پر زور محسوس ہوا۔

وہ وجود اب اوندھے منہ گڑاز میں پر پھٹی پھٹی آنکھوں سے سب سمجھنے کی تگ و دو میں تھا۔

"آپ کو ان سب پر یقین ہے ماسوائے اپنی اولاد کے۔" بے تعلق کھڑا وہ ایک بار پھر تنیدی سے غرایا۔

"ہاں نہیں ہے یقین مجھے اس گند کی گداری پر۔" اس بات سے بے نیاز کے زمین پر پڑا وجود اُن کے ایک فقرے سے پہلی بار سسکا تھا۔

"تو پھر نہیں مانیں گیں آپ کے اُس نے کچھ نہیں کیا؟" اُن کی آنکھوں میں دیکھتے اپنے ایک ایک لفظ پر زور دیا۔ پر ایک بار پھر تنفر سے گردن نفی میں ہلائی گئی۔ اُس لڑکی کی رعونت، مان، غرور، تقاضے سب کچھ یک دم تحلیل ہو گیا۔ ہچکیاں بھرتا وجود ایک لمحے کے لیے تھم گیا، خمدار لمبی پلکوں نے ہلنے سے انکاری کر دی۔ جب کچھ چیزیں

انسان پر منکشف ہوتی ہے تو دل درد سے پھٹتا ہے۔ کیا ہوتا اگر اس لمحے وہ فراخ دلی سے ہر کسی کی بات کو رد کرتے اُس کے سر پر محبت و شفقت بھرا ہاتھ رکھ کر اُس کی عزت دری ہونے سے بچا لیتے؟ پر نہیں وہ قوتِ بینائی اور قوتِ گویائی کھو چکے تھے۔

"آپ من و عن سے اپنی بیٹی کو ایک ایسے جرم میں گردان رہے ہیں جس کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے۔" وثوق سے سب کی بات کی تردید کرتے اُن کیے ضمیر کو لتاڑنے کی کوشش کی۔

"بھائی صاحب۔ یہ دو گز کا لڑکا تو ایسے بول رہا ہے جیسے شریک جرم یہ نہ ہو بلکہ ہم سب ہوں۔" ایک جانب سے ہانک لگائی گئی جو سیدھی نشانے پر لگی۔

"کون سے جرم؟ کس کی بات کر رہی ہیں آپ؟ ذرا سی بھی حیا باقی ہے آپ میں یا بیٹی کے ساتھ رخصت کر دیا سب کچھ؟ اندھے ہیں اُس کی حالت نہیں دیکھ رہے آپ لوگ؟ اور کیا کر دیا صرف کھڑی ہی تھی نا اور میں اُس کا محرم ہوں۔ اپنی گندی سوچ اپنے آپ تک محدود رکھیں۔" ایک انگلی اٹھاتا درشتگی سے تحقیر بھرے لہجے میں چلایا۔

"تم بے غیرت انسان۔" وہ ایک دم پھر اُس کا گریبان کھینچتے جھپٹے تو عون کے پیچھے موجود ضعیف عورت کی چیخ نکلی۔

"ہاں ہوں بے غیرت پر آپ سے کم۔" سرد آواز میں اُن کی بات اُنھی پر لوٹادی۔

"عون بچے بس کرو۔" سہمی ہوئی آواز ایک بار پھر سماعت سے ٹکرائی اور اب کی بار اُس کا بازو پورے طریقے سے جھنجھوڑا گیا۔ اُس دروان زمین پر گرے وجود میں ذرا جنبش پیدا نہیں ہوئی۔ اُس پر تو جیسے ایک نہ ختم کردہ ہیبت طاری ہو چکی تھی۔ ایک بار تو وہ اُس سے تسلی سے باز پرس کرتے صرف ایک بار۔ اُس نے ایک جھٹکے سے اُن کے ہاتھوں سے اپنا گریبان چھڑوایا۔

"آپ لوگ ہوں گیں عزتوں کے جنازے نکالنے والے پر عون اسحاق نہ تو کردار کا ایسا ہے اور نہ ہی زبان کا۔" اپنی تعظیم و حرمت پر اٹھی ایک بھی انگلی اُس کی برداشت سے باہر تھی۔ غصے سے لبریز نگاہ اُس زمین پر پڑے وجود پر ڈالی۔

"امی۔ اٹھائیں انہیں۔" سب کو نظر انداز کرتا اپنی ماں کی جانب گھوما اور اُس کے ارادوں سے بے خبر وہ سر ہلا کر اُس کی جانب بڑھیں اور زمین پر پڑا ڈوپٹا اُس کے سر پر ڈالا ساتھ ہی جھک کر اُس کا بازو آہستگی سے پکڑ کر اُسے ہلایا۔

"بدکار ماں کی بد کردار اولاد۔" تمسخر بھری آواز اُس کے کانوں میں پھر پڑی۔

"دوسروں پر انگلی اٹھانے سے پہلے اپنے زندگی میں جھانکیں اور اُس وقت سے ڈریں جب آپ کے گھر کی درودیوار سے ایسے قصے حقیقت ڈھال کر آپ کی نام نہاد عزت کی دھجیا اڑائیں۔" وہ کیوں خاموش رہتا کیا وہ لوگ باز آ رہے تھے الٹے سیدھے جملے کسے سے؟ نہیں نا۔

"آیا بڑا مولوی۔"

پھر اُس نے نگاہ کا زوایہ پھیر کر اُسے دیکھا جو اٹھنے کے بجائے مسلسل گردن نفی میں ہلا رہی تھی۔ غصہ کی ایک شدید لہر اُسے اُس کے دماغ کی شریان پھاڑتی محسوس ہوئی۔ وہ ایک دم سے اُس کی جانب بڑھا اور بازو سے پکڑ کر اُسے اٹھایا۔

"دیکھ رہے ہیں بھائی صاحب کیسے آپ کی آنکھوں کے سامنے بے شرمیوں کی طرح ہاتھ تھامے جا رہے ہیں۔"

سلگتی آگ میں تیل کا کام لوگوں سے بہتر کون کر سکتا ہے بھلا۔

"نکاح میں ہے میرے سمجھے آپ سب۔ حق ہے میرا اُس پر میری مرضی جو کروں اپنی گندی زبانیں بند کریں۔" دودو جواب دے کر ماں کو دیکھا جو پڑمردگی سے اُسی پر نظریں جمائے کھڑی تھیں پھر ہاتھ بڑھا کر اُسے اُن کے حوالے کیا۔

"تو کیا ہوا بھائی صاحب اس سے بولیں طلاق دے ابھی کے ابھی۔" اُس لڑکی کا باپ جو خون آشام نگاہیں اُس پر گاڑھے کھڑا تھا ایک دم پلٹا۔

"او کیا خوب بات کی ہے آپ نے جیسے آپ بولیں گیں تو میں دے دوں گا۔" استہزائیہ مسکراہٹ لبوں پر سجائے عمن نے اُن کا منہ تک کڑوا کر دیا۔

"پکڑو اسے دفع ہو یہاں سے اور اب آئندہ مڑ کر بھی اپنی شکل دکھانے سے اجتناب کرنا۔" ضعیف مرد ایک دم سے دھاڑے تو سب کو سانپ سونگھ گیا۔ یہاں تو بازی سوچ سے اُلٹ رہی تھی۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں بھائی صاحب۔" حواس بختہ آواز دور کھڑی اُس عورت کی تھی۔

"بالکل چھوڑ بھی نہیں رہا میں یہاں آپ ہوں گیں کانوں کے کچے اور آنکھوں کے اندھے میں تو بالکل بھی نہیں ہوں۔ چلیں امی۔" اُس نے اپنی ماں کو پکارا جو شش و پنج میں مبتلا اپنے بیٹے کو دیکھ رہی تھیں۔ اُس کی آواز پر ایک دم سے گردن موڑ کر پاس کھڑی لڑکی کو دیکھا جس کی حالت ابتر ہونے لگی تھی۔

"چلو بچے۔" اُس کے کان میں سرگوشی کرتے گویا اُسے آگاہ کرنے کی کوشش کی پر وہ تو جیسے وحشت کا مجسمہ بنے ایک ٹک اُن سب کے چہرے دیکھ رہی تھی۔ ماں نے خفیف نگاہیں بیٹے پر ڈالیں تو وہ ایک گہرا سانس اندر کھینچتا اُن کی

جانب بڑھا اور زبردستی اُسے کا ہاتھ تھام کر اُسے اپنے ساتھ کھینچنے لگا۔ جیسے ہی کمرے کی چوکھٹ عبور کرنے لگے تو ایک لمحے میں طلاق کا بولنے والی عورت اُن کے سامنے آئی۔

"راستے سے ہٹیں۔" وہ خونخوار نگاہیں اُس کے چہرے پر مرکوز کیے دھاڑا پر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

"ٹھیک ہے نہ مانیں میں ابھی کال ملاتا ہوں پولیس کورٹ کے اس پہر جب وہ آئیں گے تو یہ نہیں پر آپ کی نوبیا ہی بٹی ضرور طلاق کا لیبل ماتھے پر لگاوا کر گھر آئے گی۔" پختگی سے بولتے اُس نے ایک ہاتھ سے گرتے کی جیب کھنگالی۔ پر اُس کا سر دتا شدیکھ کر اُس عورت کے ہاتھوں کے طوطے ضرور اڑ گئے۔

"ملاؤں، زری آنٹی کیا خیال ہے؟" اب کی بار مسکرا نے کی باری اُس کی تھی۔

"ہٹ جاؤ زری راستے سے۔" پیچھے کھڑا ضعیف شخص پکڑا تو زری خشک لبوں پر زبان پھیرتی ایک جانب کھسک گئی۔

"آئیں امی۔" اپنے کندھے کی پیچھے کھڑی ماں کا ہاتھ تھاما۔

"جہنم واصل ہو جانا اب۔" تمللا کر ہانک لگا تا نکلا۔ اب حال کچھ یوں تھا ایک جانب چلتی اُس کی ماں تو بہت استحکام سے قدم اٹھا رہی تھیں پر دوسری جانب والے وجود کو تو گویا وہ کھینچ کر چلا رہا تھا۔ گھر کا بیرونی دروازہ عبور کر کے اُسے واپس ماں کے حوالے کر تا خود گاڑی لینے چلا گیا۔ دو منٹ کے توقف کے بعد جب گاڑی سامنے آ کر رکی تو اُس کی ماں نے اپنے ساتھ کھڑی لڑکی کو قدم بڑھانے کا کہا پر وہ بے جان ہوتی ٹانگوں کے ساتھ اُسی پوزیشن میں کھڑی رہی۔ عون نے ضبط سے آنکھیں میچ کر کھولیں اور اگلے لمحے گاڑی سے اُترا۔ ماں کو اندر بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود اُس کی جانب مڑا۔

"اب اگر تم یہ نہیں چاہتی کہ رات کے اس پہر میں سڑک پر کھڑا ہو کر تم پر بھی چلاؤ تو شرافت سے اندر بیٹھو۔"

سختی سے اُس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے گاڑی میں دھکیل دیا اور زوردار طریقے سے دروازہ بند کر کے سارا غصہ اُس غریب پر نکالا اور پھر ڈرائونگ سیٹ کو سنبھال کر انگشت میں چابی گھمائی اور گاڑی اسٹارٹ کر کے زن سے آگے بڑھادی۔ دلہن بنی حویلی کہیں بہت دور پیچھے رہ گئی۔ ایسی اونچی جگہاں پر زیادہ تر چھوٹے دل والوں کا بسیرا ہوتا ہے۔ رات کے ملجے اندھیرے میں روشنی میں نہاتی حویلی نے ایک زندگی میں سیاہی گھول دی اور وہ زندگی تھی زینہ بتول کی۔

☆☆☆

پورے راستے وہ لب پیوست کرے سختی سے اسٹرینگ تھامے گاڑی چلاتا رہا تھا۔ اُس نے ایک نگاہ بھی غلطی سے مڑ میں نہ ڈالی۔ گھر پہنچ کر وہ اُسی انداز میں گاڑی کا دروازہ مارتا اندر روپوش ہو گیا۔

"عون بیٹا تم اسے یہاں کیوں لے آئے ہو؟" اُس لڑکی کو بامشکل اپنے کمرے میں بیٹھا کر وہ اب عون کے کمرے کی چوکھٹ پر کھڑی اُس سے استفسار کر رہی تھیں۔ عون مضطرب سے انداز میں کمرے میں ٹہلتا ایک دم تھم گیا اور گردن موڑ کر انہیں دیکھا۔

"امی اور کیا کرتا؟ وہی پر چھوڑ کر آجاتا؟ جو لوگ کھلم کھلا کھڑے اُس کے کردار پر انگلیاں اٹھا رہے تھے وہ اور شیر ہو جاتے۔" آواز اب بھی سرد تھی پر ماں کے سامنے وہ دھیمی آواز میں ہی بول رہا تھا۔ اُنھوں نے تاسف سے سر جھٹکا۔

"آپ کو مجھ پر یقین ہے؟" یک دم اُس نے اُن کے تاثرات بھانپتے دل میں اٹھتا سوال پوچھا تو وہ ضعیف خاتون قدم اٹھاتی اُس کے سامنے آکر ٹھہریں اور شفقت سے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"اگر مجھے شک ہو تا تو تمہارا ساتھ نہ دیتی۔ اور بچے وہ تمہارے نکاح میں ہے۔"

اُن کے لب مسکان میں ڈھلے تھے جبکہ وہ چاہ کر بھی مسکرا نہ سکا۔ توجہ اُس کی ماں آنکھیں بند کر اُس کا اعتبار کر سکتی تھی تو اُس کا باپ کیوں نہیں؟ بیٹی تھی اس لیے یا پھر لوگوں کا خوف تھا جو اُن کی عقل پر پردے ڈال گیا تھا۔

"اب میں ذرا دوائی اور دودھ دے کر بچی کو سلا دوں۔" وہ کہہ کر پلٹ گئیں پر عون کے گھومتے دماغ میں بس اُس کا عکس لہرایا وہ لب بھینچے تن فن سے کمرے کا دروازہ عبور کر تا نکلا اور دھڑلے سے اپنی ماں کے کمرے میں گھس گیا۔ پر وہ تو جیسے اب بھی ماتم کے زیر اثر گنگ بیٹھی تھی۔ خشونت سے سر جھٹکتا آگے بڑھا اور اُس کا بازو تھام کر اُسے اپنے روبرو کھڑا کیا خونخوار نگاہیں اُس سہمی، وحشت زدہ سی آنکھوں میں ڈالے مدھم آواز میں غرایا۔

"کیا زبان پر تالے لگ گئے تھے تمہارے جو تم نے اپنے منہ سے وہاں کچھ نہیں پھوٹا۔" پر وہ اب بھی خاموش تھی بالکل ساکن، ہاتھ پیر تنخ ہو رہے تھے، گرنے کی وجہ سے پھٹا ہونٹ، سو جھے پوٹے، الجھا ہلایا عون کو اپنی جھنجھلاہٹ میں مزید اضافہ ہوتا معلوم ہوا۔

"کیا بول رہا ہوں میں زینہ بتول صاحبہ جواب دیں گیں آپ کے نہیں؟" تنافر سے پھنکارا۔

"عون اسحاق۔ کیا میں نے تمہیں آج تک یہ سکھایا ہے؟ کیا تم بھی وہی نہیں کر رہے جس اسباب کی بدولت تم اسے یہاں لائے تھے۔" پہلے پہل تو اُس کی حرکت نے اُن کو ورطہ حیرت میں مبتلا کیا پر جیسے ہی نظر زینہ کے ستے چہرے پر پڑی وہ ایک دم سے ہوش کی دہلیز پار کر تیں وثوق سے بولیں۔ اُن کی آواز پر عون نے ایک جھٹکے سے اُس کا بازو چھوڑا تو وہ توازن نہ بر کرار رکھتی بیڈ پر لڑکھڑا کر گری۔ ہاں فرق تھا باپ نے سب کے سامنے زمین پر دھکیل دیا تھا اور اُس شخص نے بے گانگی سے پہلے دفاع کیا، اب تزیل کر کے وہی برتاؤ دہرا رہا تھا۔ اپنے نازک بازو میں درد کی شدید لہر محسوس کرتی وہ سسکی۔ عون کی ماں نے ایک آزر دگی بھری نگاہ اپنے بیٹے پر ڈالی اور اُس کی جانب بڑھی جبکہ

عون نے اُس کی سسکی پر گردن موڑ کر اُسے دیکھا پھر جس طرح دھندلاتے ہوئے داخل ہوا تھا ویسے ہی نکل گیا، اپنے پیچھے اُن دون عورتوں کو چھوڑتا ایک بلکتی جبکہ دوسری متاسف انداز میں اُسے سہارا دیتی۔

☆☆☆

عون اسحاق اپنی ماں کا ایک واحد سپوت تھا۔ سہل اور ٹھنڈے مزاج کا حامل ایک واجبی صورت کا مرد۔ البتہ اُس کی بادامی رنگ کی ذہانت سے چمکتی آنکھیں ایسی مقناطیسی کشش کی حامل تھیں کہ کوئی بھی آسانی سے مرعوب ہو جایا کرتا تھا۔ ماتھے پر آتے سیاہ بال، اُٹھی مغرور ناک، گندمی رنگت، بھراکسرتی جسم۔ وہ اپنی ماں کی جوانی کا کُل سرمایہ تھا۔ بچپن میں جس عمر میں لوگ باپ کی ٹھنڈی چھاؤں تلے پر سکون زندگی گزر بسر کرتے ہیں اُس عمر میں اُس پر یتیمی کی چادر اڑ گئی تھی۔ باپ کا خاندان کوئی اتنا وسیع و عریض تھا نہیں بس ایک بہن تھی جو خود با مشکل غربت کی چکی میں پستی اپنے شوہر کے ساتھ زندگی کی دوڑ میں گامزن تھی۔ ماں کے والدین بہت وقت پہلے اپنے آخری سفر پر کوچ کر چکے تھے اس لیے وہاں کا بھی کوئی اسرا نہیں تھا۔ لہذا وہ دونوں ماں بیٹے ہی ایک دوسرے کا سہارا تھے۔ اور آج اگر عون اسحاق کسی مقام پر کھڑا تھا تو صرف اپنی ماں کی اُن تھک محنت کی بدولت۔ آج اُس کے پاس گھر تھا، دولت کی فروانی تھی گویا ایک طویل مسافت کے بعد رب نے اُسے ہر ضروریاتِ زندگی مہیا کر رکھی تھی۔ رعونت، غرور، اترہٹ اور تقاضر کا دور دور تک کوئی عنصر نہیں تھا۔ زندگی کی بہت سی اونچ نیچ، تلخیاں، کڑواہٹ اور ترشی دیکھ کر پروان چڑھا شخص جو ہر معاملے میں انتہائی نزاکت سے قدم اٹھاتا تھا۔ اپنے فیصلوں میں اٹل اور پختگی اُس کی فطرت کا حصہ تھی۔ پر آج جو کچھ ہوا وہ اُس کی سمجھ سے بالکل بالاتر تھا۔ آخر ہوا کیا تھا؟ یہ وہ سوال تھا ذہن میں انتشار اور دل میں قلبی مچا رہا تھا۔ وہ غصہ بہت کم کرتا تھا پر جب کرتا تھا تو لوگوں کے اوسان خطا ہو جاتے تھے۔ وہ قدم بھی اٹھانے کا سبب بس یہ تھا کہ وہ تماش بین بنا کسی کا تلف، بربادی، تباہی نہیں دیکھ سکتا تھا

اور سامنے والی عورت تو پھر اُس کی منکوحہ تھی، اُس کی محرم ایک پاک رشتے میں بندھی۔ پر سوال پھر وہی تھا ہو کیا رہا تھا؟ وہ تو کمرے سے آتی آہ و پکار کی بدولت وہاں گیا تھا۔ اُس کے سوالات کا جواب صرف اُس ایک عورت کے پاس تھا جس کی چپ اُس کا لہو اور گرم کر رہی تھی۔ اُس نے بے بسی سے کپٹی مسلی اور گاڑی فرائے مارتی ہو اپر سوار اندھیری رات میں سڑکوں کی خاک چھان لگی۔

زینہ سے نکاح بھی اُس نے ماں کے کہنے پر ہی آج سے دو مہینے قبل ہوا تھا اُس کی ماں کے مطابق زنیہ اُن کے چاچا زاد کی صاحبزادی تھی اور اُنکی خواہش کی بدولت وہ عون سے بات کر رہی تھیں۔ تعجب کا شکار حقیقت میں وہ تب ہوا تھا جب ماں کے چاچا زاد اچانک سے منظر عام پر نمودار ہوئے۔ رشتے کے لیے ہامی بھرنے سے قبل اُس نے ماں سے سب پہلا سوال یہی کیا تھا جس پر انہوں نے بتایا کہ اُن کا رابطہ منقطع ہو گیا تھا کچھ وجوہات کی بنا پر۔ وجوہات پر البتہ پردہ ڈال دیا گیا، وضاحت نہیں دی گئی اور نہ ہی عون نے چاہی۔ وہ اپنی ماں کے ہر فیصلے پر عن و من سے سر تسلیم کر دیا کرتا تھا اور اُس وقت بھی کر دیا۔ اس بات سے ناواقف کے رشتہ مستقبل میں اُسے کس طرح سے اُس کی انا اور عزت نفس کو روندھنے والا تھا۔

"بدکار عورت کی بدکار اولاد۔" ایک بار پھر کسا گیا جملہ سماعت میں گونجا جس پر اُس نے سر د آہ بھری۔

پہلی ملاقات زینہ کے والد سے اُس کی اپنے گھر پر ہی ہوئی تھی پھر انہوں نے اُن لوگوں کو دعوت پر مدعو کیا تو وہ بھی مہمان نوازی کا موقع دیتے چلے گئے۔ اُس بچ نسبت بھی طے ہو گئی اور نکاح کی تاریخ بھی فکس کر لی گئی۔ اچانک سے رونما ہونے والے ان واقعات پر اُس کا ماتھا ٹھٹھکا ضرور تھا پر پھر اُس نے خود کو تسلی دے کر ہر منفی سوچ کو جھٹک دیا۔ خاندان کے کچھ لوگوں کا رویہ بھی اُسے کھٹکا تھا چہرے پر سچی طنزیہ ہنسی، میٹھی میٹھی معافی خیز باتیں، کینہ توڑ نگاہوں کا تبدلہ ہونا۔ اُس نے ان سب باتوں کو بھی خاندانوں کی روایتی بغض سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔ پر ایک شخص

تھا مجیب کمال اُسے کبھی پسند نہیں آیا تھا۔ زینہ کو اُس نے پہلی بار نکاح کے بعد اپنے پہلو میں بیٹھے دیکھا تھا۔ پر اس سارے ایام وہ خاموشی سے سر جھکائے بیٹھی رہی نہ اُس نے کوئی بات کی نہ ہی عون نے ضروری سمجھا۔ وہ ایک پریکٹکل انسان تھا جس کے مطابق محبت تو شادی کے بعد ہو ہی جاتی ہے۔ اُسے نہ تو فلحال زینہ سے کوئی جلالی قسم کی محبت تھی اور نہ ہی دونوں نے آج تک صحیح سے بات کی تھی۔ نکاح کے بعد جب بھی وہ اُن کے گھر گیا علیک سلیک کے علاوہ اُن کی کبھی کوئی بات نہیں ہوئی۔ ہاں ایک بات وہ تسلیم کرتا تھا اُس کی ہر نی جیسی سیاہ غزالی آنکھیں ضرور مبہوت کرنے کی صلاحیت رکھتی تھیں۔ وہ احتراز برتی تھی تو وہ خود بھی وہی کرتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ زینہ کم گو تھی پر ڈرپوک ہونے کا آج پتا لگا تھا۔ بھلے انسان جتنا کم گو ہو مگر اتنی ہمت اُس میں ضروری ہونی چاہیے کہ اپنے بارے میں کی گئی غلط بات پر احتجاج کرے اور سب سے لڑے۔ وہ بھی پہلے خاموش رہا کہ وہ خود اپنے دفاع میں کچھ بولے گی پر جب وہ کچھ نہ بولی تو اُسے میدان میں اتر کر سب پر چیخنا پڑا اور وہ کیوں خاموش رہتا بات صرف زینہ کی ذات سے منسلک تھوڑی تھی اُس پر بھی برابر کا کیچڑ اُچھلا جا رہا تھا۔ اپنے لئے گئے کسی اقدام پر وہ شرمسار نہیں تھا ہاں البتہ زچ ہو کر زینہ پر چلانے نے ضرور ملال میں مبتلا کیا۔ وہ آپے سے بالکل باہر تھا پھر جب امی نے سختی سے اُس کا پورا نام پکارا جو عموماً اُس کے لیے ایک تنبیہ تھی تو اُسے احساس ہوا کہ وہ بے جا اُس پر برہم ہو رہا تھا۔ غیر ارادی طور پر اُس نے اُس کا کندھا چھوڑا وہ نہیں جانتا تھا وہ لڑکھڑا جائے گی۔ سب سے توہین آمیز احساس اُسے جب ہوا جب وہ سسکی۔ اُس کا سسکنے اور ماں کی ملا متی نظریں دنوں سے نگاہیں چراتا وہ گھر سے باہر نکل آیا تھا اور جب سے اب تک وہ لا اور اٹوں کی طرح سڑکوں پر گھوم رہا تھا۔

☆☆☆

پوری رات خوار ہونے کے بعد جب وہ گھر میں داخل ہوا تھا اُس کی نگاہ ماں کے سستے اور پریشان چہرے سے ٹکرائی۔ اُف! وہ تو موبائل بھی گھر چھوڑ کر نکل گیا تھا۔ شاید اُسی کے انتظار میں وہاں گود میں تکیا دھرے پشت صوفے سے ٹکائے بیٹھی تھیں البتہ آنکھیں موند رکھی تھیں۔

امی۔ "قرب پہنچ کر اُن کا شانہ آہستگی سے ہلایا تو وہ ایک دم ہڑبڑا کر اُٹھیں۔ جہاں اُسے سہی سلامت دیکھ کر دل کو ٹھنڈک ملی وہی غصہ بھی آیا۔

"شرم آتی ہے اس عمر میں ماں کو ستاتے؟" خفگی سے ایک چپت اُس کے کندھے پر رسید کی تو اُن کی ناراضگی کو ختم کرنے کے غرض سے جھک کر اُن کی پیشانی چومی۔

"سوری امی۔" پیشانی تو اُسے واقعی میں ہوئی تھی۔ اُسے اُن کا خیال رکھنا چاہیے تھا۔ پر سوچوں کا محور اس قدر حاوی ہو رہا تھا کہ ان کا خیال ذہن سے ہی نکل گیا۔

"وہ کیسی ہے؟" بلا آخر ہمت مجتمع کر کے ماں سے نظریں چراتا استفسار کرنے لگا۔ ماں نے بغور اُس کا ستا چہرہ دیکھا پھر شانہ تھپتھپایا شعوری توڑ پر وہ اُس کی ہمت باندھ رہی تھیں۔

"بہت مشکلوں سے دو گھونٹ دودھ اور دوائی کھلا کر سلا یا تھا۔ غنودگی کی دوائی تھی جبھی سو گئی ورنہ وہ تو کچھ سننے کو تیار نہیں تھی۔" اُس نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

"سو جائیں امی تھوڑی دیر پھر نماز کا وقت ہو جائے گا۔ طبیعت نہ خراب ہو جائے آپ کی۔ اُن کا ہاتھ پیار سے تھپکتا قدم اپنے کمرے کی جانب بڑھانے لگا۔

"عون۔" پیچھے سے نام پکارا گیا تو قدم تھم گئے اور گردن تر چھی کر کے انھیں دیکھا۔

"بیٹا کل رات تو تم نے اُس بچی سے اس انداز میں بات کر لی تھی آئندہ زینہ سے اس طرح بات کرنے سے گریز کرنا۔ یا تو تم اُسے ساتھ نہ لاتے اور اگر اب لے آئے ہو تو عزت و تکریم سے پیش آؤ۔ عورت بہت حساس ہوتی ہے عیون اور جانتے ہو اگر ایک بار اُس کے دل سے کوئی مرد اتر جائے تو مجبوراً زندگی تو گزار لیتی ہے پر ہر قسم کے جذبے سے عاری بالکل ایک مجسمے کی طرح۔ مرد کی اگر انا ہے تو عورت کی بھی انا ہوتی ہے جسے گھائل کرنا انتہائی گری ہوئی حرکت ہے۔ میں اپنی اولاد سے اس قسم کے بھرتاؤ کی خواہاں نہیں ہوں۔ کل کو کس منہ سے اپنے رب کے حضور کھڑی ہوں گیں؟ اولاد تم میری ہو تربیت کرنا میرا فرض ہے اور فرض سے دستبرداری کرنے والے رسوا ہو جاتے ہیں۔" ظاہری طور پر تو وہ مستقل مزاجی سے اُسے سمجھا رہی تھیں پر اُن کی آنکھوں میں در آتی تنبیہ اور چہرے پر چھائی سنجیدگی دیکھ کر عیون سے اپنا سراسر اثبات میں ہلادیا۔ پھر وہ اُس کے جانے سے پہلے خود اپنے کمرے کی سمت بڑھ گئیں۔ دو منٹ وہ وہی کھڑا رہا پھر سر جھٹکتا آگے بڑھ گیا۔

☆☆☆

فجر کی نماز پڑھ کر جیسے ہی انہوں نے سلام پھیرا تو نگاہ اُس بے سود وجود سے ٹکرائی۔ رات بھی وہ بالکل خاموش رہی تھی انہوں نے کتنی سعی کی کہ وہ کوئی بات بولے کچھ بتائے پر اُس نے تو جیسے چپ نہ توڑنے کی قسم کھائی تھی۔ مستزاد اگر کوئی سننے والا ہوتا ہے تو انسان کی تھوڑی بہت تو ڈھارس بندھ ہی جاتی ہے اور وہ اُس سے سننا چاہتی تھیں آخر اُس کے دل میں چل کیا رہا ہے۔ جب وہ جانماز فولڈ کر کے اٹھانے لگیں تو وہ ایک دم سے ہزینی انداز میں چلا کر بیٹ پر ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھی جس پر عیون کی والدہ نے گھبرا کر اُس کی سمت دیکھا اور پھر جلدی سے اٹھ کر اُس کے پاس آئیں۔

"کیا ہوا ہے بچے؟" پریشانی سے اُس کے منہ پر آئے بال شفقت سے ہاتھ سے سائٹ پر کرتیں اُس کے قریب بیٹھیں اور اُس کا لرزتا ہاتھ اپنے گرم ہاتھوں میں لیا۔ لرزتی خمدار پلکیں اُٹھیں آنسوؤں سے لبریز نگاہیں اُس شفیق خاتون کو دیکھنے لگیں۔

"زنہ کیا ہوا ہے بیٹا؟" اُس کے بازو کو ہلا کر اُس کے حواس بحال کرنے کے لیے ایک بار پھر پکاریں۔

"آپ کو اپنے بیٹے پر یقین ہے؟" کل کے بعد جب اُس نے چپ توڑی تو بھاری، کپکپاتی، مدھم مدھم زہکام زدہ آواز میں عجیب بھکے انداز میں سوال پوچھا، عون کی ماں نے ایک منٹ اُس کے چہرے پر احاطہ کیے قرب کو دیکھا اور پھر جواب دینے کے بجائے آہستگی سے سر اثبات میں ہلادیا۔

"ہاں مرد ہے۔ اُس پر تو سب بھروسہ کرتے ہیں۔"

استہزایہ انداز میں ہنسی جیسے خود ہی اپنی ذات کو نشانہ بنا کر مزاق اڑا رہی تھی پھر یک دم اُس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ انھوں نے دل گرفتگی سے اُس کی حالت دیکھی پھر اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"مجھے اپنی بیٹی پر بھی بھروسہ ہے۔" انہوں نے اُسے یقین دلانا چاہا جس پر اُس نے اپنی گردن زور زور سے نفی میں ہلائی۔

"نہیں مجھ پر، میرے کردار پر کوئی یقین نہیں کرتا۔ میں عورت ہونا پاک ہوں، چیچک زدہ گند کی گدڑھی۔" اُس نے کل اپنے باپ کے بولے گئے الفاظ واپس دھرائے تو انہیں اضمحلال نے آن گھیرا۔ اُن کا بیٹا کل رات اس پر چلا رہا تھا جو خود اپنی ذات سے نفی کر رہی تھی۔ وہ تھوڑی سے آگے ہوئیں اور اُس کا سر اپنے سینے پر رکھ کر تھکنے لگیں۔ وہ بے آواز سسکیاں بھرتی مسلسل آنسو بہاتی رہی۔ قمیز میں جذب ہوتے آنسو انہیں قطرہ قطرہ اپنے دل پر

گرتے محسوس ہو رہے تھے۔ جوان خون وہ بھی بیٹی جیسی عظیم نعمت لاکھ اختلاف صحیح پراکیلے میں وضاحت مانگ لیتے ایک بار پیار سے بہلا کر پوچھ لیتے تو کیا جاتا؟ پر وہ کیا جانتی تھیں ہر انسان فقط اُن جیسا تھوڑی ہوتا ہے جو بغیر وضاحت طلب کیے یقین کر لے۔

"وہ اُن کم عقل لوگوں کی سوچ تھی خود اپنی ذات کے لیے ایسے الفاظ مت استعمال کرو بچے۔ جب تم نے کچھ کیا ہی نہیں تھا تو خود کو قصور وار گردانے کا فائدہ؟ تمہیں کل وہاں پر خاموش رہنے کے بجائے اپنی گواہی میں آواز اٹھانی چاہیے تھی۔ اصل میں کم ظرف لوگ وہ ہیں میری بیٹی نہیں۔" سسکیوں کے درمیان اُن کی ہموار آواز گونجی۔

"کیا بولتی ہیں۔ کیا گواہی دیتی؟ میں کیوں اُن کو زبردستی صحیح ہونے کی دلیل پیش کرتی۔ سب کو چھوڑیں وہ تو باپ تھے نا انہوں نے کیوں سب کی زبان نہ روکی اور آپ لوگ کیوں مجھے یہاں لے آئے چھوڑ دیتے مجھے میرے حال میرے جیسی بدکار لڑکیوں کا انجام تو یہی ہوتا ہے نا؟" اُسی طرح بیٹھے اُن کے سامنے سرپائے سوال بنی کھڑی تھی، وجود پر طاری کپکپاہٹ مزید بڑھ رہی تھی، بخار کی حدت میں اضافہ ہو رہا تھا۔

اُنھوں نے رات کو دوائی دی تھی مگر اب بھی اُس کی حالت میں کوئی متواضع تبدیلی نہیں آئی تھی۔ اُنھوں نے نرمی سے اُسے خود سے جدا کیا اور پھر اٹھ کر عون کے کمرے میں جانے کے غرض مڑ گئیں۔ دروازے کے سامنے پہنچ کر دستک دی مگر کوئی جواب نہیں آیا مجبوراً انہیں دروازہ مسلسل بجانا پڑا۔ دستک کی آواز پر عون نے مندی مندی آنکھیں کھولیں۔

"عون۔" باہر سے ایک بار پھر زور سے اُس کا نام پکارا گیا تو وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر اُس کی جانب بڑھا۔ اماں نے سرخ پڑتی آنکھیں دیکھیں جورت جگے کی گواہ تھیں، نقاہٹ زدہ چہرہ، نیند سے بو جھل آنکھیں۔

"کیا ہوا ہے امی؟"

"بیٹا زینہ کا بخار بہت تیز ہے۔ میں نے رات کو دوائی دی تھی مگر پھر بھی کوئی اثر نہیں ہوا۔ اب صبح ہو گئی کسی ڈاکٹر کو بلاؤ گھر پر۔" عون فوراً سے مڑ کر اپنے بستر کے نزدیک آیا فون اٹھایا، پیروں میں چپل آڑا سی اور اُن کے پیچھے کمرے میں داخل ہوا۔ امی پریشانی سے اُس کی جانب مڑیں۔

"ابھی تو بات کر رہی تھی مجھ سے اب پتا نہیں کیا ہو گیا؟" وہ بستر پر ایک بار پھر دنیا جہان سے بیگانہ پڑی تھی عون نے آگے بڑھ کر اُس کی کلائی تھام کر نبض ٹٹولی جو بہت سستی سے چل رہی تھی، سوکھے نیلے پڑتے لب، آنکھوں کے پپوٹے جو مزید سو جھ گئے تھے، فق ہوئی رنگت، بخار کی حدت سے متمماتا چہرہ۔ عون کو اپنے دل پر گھوسا لگتا معلوم ہوا۔ پہلے ہی کل اپنی کی گئی حرکت پر وہ اتنا بخل تھا اور اب اُس کی حالت دیکھ کر وہ مزید پیشان ہو گیا۔ ایک لمحے کے لیے دل میں کسک اُٹھی پھر وہ فوراً نظریں چراتا واپس مڑ گیا۔

"میں لاتا ہوں کسی ڈاکٹر کو آپ یہیں ٹھہریں امی۔"

☆☆☆

ڈاکٹر نے آکر اُسے چیک کیا پھر دوا یاں لکھ کر دیں اور خوارک کی خیال کے ساتھ ذہنی سکون دینے کا بھی بولا جس کے لیے چاہ کر بھی وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ ہاں خوارک کا خیال کرنے کی خاطر امی نے اُس کے اُٹھنے سے پہلے ناشتہ کا اہتمام کر لیا۔ عون کے برابر بیٹھ کر اُس کی پلیٹ میں بھی پر اٹھار کھا تو اُس نے ماں کی خاطر بے دلی سے دو تین لقمے کھا کر پلیٹیں پرے کھسکا دی۔

"ناشتہ صحیح سے کرو عون۔"

"امی بس ویسے ہی طبیعت بو جھل ہو رہی ہے۔" چائے کا مگ لبوں سے لگاتے اُس نے ناک چڑائی تو امی نے سر ہلایا۔
 "پھر آفس مت جاؤ پہلے ہی رات بھر بے آرام رہے ہو۔" عون نے گردن نفی میں ہلائی اور ٹیبل پر خالی مگ واپس رکھ کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

"بہت ضروری میٹنگ ہے آج میری ہو سکتا ہے آج واپسی میں دیر ہو جائے۔ خیال رکھیے گا۔" جھک کر اُن کا سر چوما
 پھر کرسی سے اپنا لیپ ٹاپ بیگ اٹھایا۔ گھر کی کشیدگی اور تناؤ سے بھرپور ماحول سے بہتر تھا وہ آفس ہی چلا
 جاتا۔ ویسے بھی وہ نہیں چاہتا تھا کہ اُس کی وجہ سے زینہ کمرے تک محدود ہو کر رہ جائے۔ وہ نہیں ہو گا تو ہو سکتا ہے
 پھر امی کی بات مان کر باہر نکل آئے۔

"جاؤ بچے۔ فی امان اللہ۔" وہ ہمیشہ کی طرح محبت پاش نگاہیں اُس کے چہرے پر مرکوز رکھے اپنے نرم گوانداز میں
 بولیں تو وہ بامشکل مسکرا کر باہر کی جانب بڑھ گیا۔

☆☆☆

زینہ بستر پر ایک غیر مردی نقطے پر نظریں جمائے بے نیاز بیٹھی تھی جب عون کی والدہ کمرے میں داخل ہوئیں پھر
 اُس کے سامنے میں کھڑے ہو کر اُس کی پیشانی کو ہاتھ کی پشت سے چھو کر دیکھا۔ تسلی ہونے پر ذرا سا مسکرائیں۔ صبح
 بھی اُنھوں نے زبردستی اُسے ناشتہ کروایا تھا۔ اُس کا حلیہ درست کرنے کے لیے ایک پیلے رنگ کا سوٹ اُس کے
 ہاتھ میں تھا مادیاتھا جو اُس نے وہی زیب تن کر رکھا تھا۔ مرجھائے ہوئے رنگ میں بھی وہ اُس سوٹ میں دلکش لگ
 رہی تھی۔ اصل میں انہوں نے اُس کی رخصتی کے بعد کے لیے بہت سے کپڑے خرید کر پہلے ہی سنبھالنا شروع
 کر دیے تھے انہیں قطعی اندازہ نہیں تھا کہ وہ ایسی صورتحال میں کام آنے والے تھے۔

"زینہ بیٹا جاگ گئی؟" اُس کی توجہ اپنی جانب راغب کرنے کے لیے اُس کا شانہ ہلایا اور شفیق مسکراہٹ چہرے پر سجائے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ زینہ نے نگاہ پلٹ کر انہیں دیکھا پھر سر اثبات میں ہلایا۔

"آ جاؤ میرے ساتھ کیچن میں بیٹھ جانا میں رات کے کھانے کی تیاری کر لوں گیں۔" اُس کا دھیان بھٹکانے کے لیے انہیں صرف ایک یہی ترغیب سو جھی تھی۔ کام والی گھر کی صفائی کر کے چلی گئی تھی ہاں البتہ انہوں نے اُسے اپنے کمرے میں جانے سے قصداً منکر دیا اور وجہ دریافت کرنے پر معقول بہانا بنا کر ٹال دیا وہ چاہتی تھیں کہ بات گھر کی درودیوار میں ہی رہے باہر نکلی تو لوگ مزید جلتی پر آگ کا کام کرنے پہنچ جائیں گے۔ زینہ نے اپنا سر نفی میں ہلایا تو انہوں نے فہمائی نظروں سے اُسے دیکھا۔

"میں کہہ نہیں رہی بتا رہی ہوں اب چلو شاباش اُٹھو میرے ساتھ باہر آؤ اور عون کی فکر مت کرو وہ ویسے بھی مغرب کے بعد ہی گھر گھستا ہے۔ جب تک یہ اکیلی بوڑھی عورت اس درودیوار کو ہی تکی رہتی ہے۔ مگر اب تو میرے ساتھ میری بیٹی بھی ہے۔ آ جاؤ بچے دیکھو وقت بہت ہو گیا ہے۔" آخر میں انہوں نے گھڑی کی جانب اشارہ کیا جو شام کے پانچ بج رہی تھی۔ وہ بس اُس کو باتوں میں لگا کر اُس کا دل کچھ وقت کے لیے بہلانے چاہ رہی تھیں۔ اگر وہ چاہتی تو کل کا موضوع چھیڑ لیتیں مگر اُس کی حالت کے پیش نظر انہیں سب سے بہترین حل یہی لگا۔ صبح جب سے وہ اُٹھی تھی اُس نے اُن سے کوئی بات نہیں کی تھی وہ نہیں جانتی تھی کہ آخر اُس کے دماغ میں کیا چل رہا تھا۔

"اُٹھو اب۔" اب کی بار انہوں نے اُس کی کلائی تھامی تو دل نہ چاہتے ہوئے بھی زینہ کو رسماً اُٹھانا پڑا۔ پھر وہ مزید باتیں کرتیں اُسے کیچن میں لے آئیں۔ خود کیچن کاؤٹر کے دوسری جانب چلی گئیں جبکہ اُسے کاؤنٹر کے سامنے موجود کھانے کے ٹیبل کے سامنے بیٹھا دیا۔

"اب تم یہ مٹر نکالو اور میں مصالحہ بھنتی ہوں۔" اُس کے سامنے ٹوکری رکھتے متوقع منصوبہ بیان کرتی مسکرا کر مٹر گئیں وہ بس خاموشی سے منہ جھکا کر مٹر نکالنے لگی جبکہ وہ گاہے بہ گاہے کام کے دوران اُس پر نظر ڈالتیں بولتی رہیں۔ ماؤف دماغ سے کبھی اُن کو دیکھتی تو کبھی مٹر نکالنے لگتی۔

"اب لاؤ یہ مجھے دو میں پتیلی میں ڈالوں انہیں۔" چھو لے کی دم والی آنچ کر کے خود اُس کے پاس آگئیں۔

"آئی" جب وہ واپس ٹوکری اٹھا کر واپس پلٹنے لگی تو وہ یک دم پکاری وہ مسرت سے مڑیں۔

"بولو میری جان کیا بات ہے؟" سوالیہ نگاہیں اُس کے جھکے سر پر مرکوز کیے وہ پچکاریں تو اُس نے آنسوؤں سے ترچہ اٹھایا۔

"آپ مجھ سے کل رات کے حوالے سے کچھ کیوں نہیں پوچھ رہیں؟" غیر متوقع سوال سن کر وہ حیرت و انبساط میں مبتلا ہو گئیں پھر اُس کے روبرو جا کر کھڑی ہوئیں۔

"زینہ میری بیٹی۔ جب مجھے اپنے عون پر پورا اعتماد ہے تو پھر اپنی بہو پر کیوں نہیں ہو گا۔ اول تو یہ مجھے اپنی تربیت پر پورا مان ہے دوم یہ کہ اتنے عرصے میں اپنی بیٹی کو بھی جان گئی ہوں۔ اس سے بھی بڑھ کر اگر عون تمہارے کمرے میں موجود بھی تھا تو میرے نہیں خیال سے کوئی غلط بات تھی تم اُس کے نکاح میں ہو۔ لوگوں نے معاملہ ایسے پیش کیا جیسے وہ چاہتے تھے جبکہ میں قطعی سنی سنائی باتوں پر یقین نہیں کرتی۔ تم میری بہو ہو عون میری اولاد اور مجھے تم دونوں پر پورا بھروسہ ہے۔ میں فقط صرف تمہیں بیٹی نہیں کہتی بلکہ پورے دل سے مانتی ہوں۔ اگر میرے دل میں مٹھی بھر بھی برائی ہوتی یا پھر مجھے تمہارے ماضی سے کچھ لینا دینا ہوتا تو میں قطعی رشتہ نہیں جوڑتی۔ رہ گئی بات عون کی تو اُس نے جو بھی قدم کل لیا مجھے اُس پر فخر ہے میں خود تمہیں اُن لوگوں کے درمیاں چھوڑنا نہیں چاہتی

تھی۔ نہیں ہوئی رخصتی تو نہ صحیح میں اپنی بیٹی کا بھرپور طریقے سے ولیمہ رکھوں گیں اور لوگوں کو بتاؤں گیں کہ زینہ بتول میرے عون کی بیوی ہے۔" صبح بھی وہ وضاحت نہیں دے سکیں تھیں پر اب وہ چاہتی تھیں کہ زینہ کے دل میں اگر اُن کی جانب سے کسی بھی قسم کی رنجش یا گلہ ہے تو وہ اُسے صاف کر لے۔ اُنھوں نے اُس کے بھگے رخسار صاف کیے۔

"اور عون کیا وہ سب کچھ جانتے ہیں؟" اس بات پر وہ ایک لمحے کے لیے تھم گئیں سیاہ متوروم آنکھیں محض اُن پر ٹکی تھیں۔ اُنھوں نے سرد آہ بھری پھر متاسف نگاہوں سے اُسے دیکھتے سر نفی میں ہلایا تو زینہ کا چہرہ واپس جھک گیا۔

"مگر عون کو پتا چل بھی جائے گا تو وہ کچھ نہیں بولے گا۔" اُن کی بات پر آنسو زور قطار بہنے لگے پر پھر وہ ہاتھ کی پشت سے اپنی آنکھیں بے دردی سے مسلتی کھڑی ہوئی۔

"میں جاؤ۔" بو جھل ہوتی آنکھیں اور زہکام زدہ بھاری آواز میں استفسار کیا تو عون کی امی نے اداسی سے سر ہلادیا۔ وہاں سے ہٹے ساتھ ہی وہ کمرے میں گھسی اور اوندھے منہ بستر پر لیٹ کر رونے لگی۔ دل درد کی شدید لہر سے پھٹنے لگا، وجود ہچکیاں بھرنے لگا، پر آنکھوں میں بسا سمندر راہ تکتے کناروں سے نکلنے لگا۔ سیاہ گھنے بال پشت پر بکھرے، سراپائے حزن جس کا حسن تو باکمال تھا پر قسمت میں سیاہی گھلی تھی وہ کیا مزاحمت کرتی؟ بھلا پہلے کسی نے اُس کی بات مانی تھی جو وہ لوگ اب مان کر سر تسلیم خم کر لیتے۔ اُس کا باپ سب سے قریبی رشتہ، دھوپ چھاؤں کا سائبان، محبت کا حامی جب وہ اُس کے کردار پر اُٹھی انگلیوں کو مڑور کر توڑ نہ سکا تو پھر وہ عون اسحاق سے کیا بعید رکھتی۔ اگر کل وہ سب کے سامنے تن کر کھڑا ہوا تھا تو محض صرف اپنی ذات کی خاطر۔ آج اُن لوگوں نے پیروں سے دہلیز اور سر سے چھت چھین لی تھی تو وہ کیوں اُسے اپنے ساتھ رکھے گا؟ جس نے آج تک اُس سے بات تک

کرنے میں پہل نہ کی تھی وہ اُس سے منسلک آنے والے کل کے خواب کیسے تعمیر کر سکتی تھی؟ رات کو اُس کا رویہ بھی باپ سے کم تھوڑی تھا بس فرق یہ تھا کہ باپ کردار کی پاکی کا ثبوت مانگ رہا تھا اور وہ زبان پر لگے تالوں کی وضاحت طلب کر رہا تھا۔ تھے دونوں مرد ہی اپنی انا، عزت و تکریم، آبرو، بزرگی کو کبھی ٹھیس تھوڑی پہنچا سکتے تھے۔ آج ایک نے دنیا کہ سامنے تحقیر آمیز رویہ اپنا کر اُس کی ذات کو سرے سے ماننے سے انکار کر دیا، کل کو وہ بھی جن ہاتھوں سے تھام کر یہاں تک لیا تھا اُنھی سے پکڑ کر دھکے مار کر نکال دے گا۔ اس سب کے درمیان وہ کہاں تھی؟ اُس کی ذات کہاں تھی؟ اُس کا درد، دکھ، تکلیف کیا اُن سب چیزوں کا مداوا کوئی کر سکتا تھا؟ وہ ایک عورت تھی رحمت نہیں زحمت فقط دل لبھانے کی ایک چیز۔ اگر عون اسحاق اُسے اپنے گھر لیا تھا تو صرف اپنی بقا کو برقرار رکھنے کے لیے ہاں بالکل۔ آج تحفظ دے گا، اپنی من مرضی کرے گا کل آنے والے مستقبل میں کردار کشی پر اتر آئے گا۔ اپنی موجودگی سے پہلے موجود شخص کا استفسار کرے گا، پھر بے لچک انداز میں تعظیم اور حرمت کو ملیا میٹ کر دے گا۔ زندگی خراب کرنے میں اُن دو مردوں کے بعد فقط یہ تیسرا مرد ہو گا۔ زینہ بتول ایک خرافہ کی اولاد اسی کے نقش قدم پر چلے گی۔ دماغ نے تمسخر اڑایا اور دل نے آہ و پکار کرتے نفی کی۔ اُس کا تقدس، انا، عزت، روح سب کچھ پامال کر کے یہ لوگ اُس کو ایک کٹپتلی تصور کرے بیٹھے تھے جس کا جب دل کیا اُس کی ڈوری دراز کر دی اور جب دل کیا واپس کھینچ لی۔ و سواس، اندیشوں، بدگمانیوں نے دل و دماغ کو آہنی شکنجے میں جکڑ لیا۔ بے ریا آنسو بہتے رہے اُن کی کون سا کوئی قدر تھی بے مول موتی جنہیں چنے کے لیے کوئی ہاتھ درکار نہ تھا، کپکپاتا وجود، نیم والب سے آزاد ہوتی سسکیاں، ماؤف ہو تا دماغ، وحشت، غم و غصے، درد سے بلکتا دل۔ گویا روح جسم سے آزادی کی طلب گار تھی پر وقت مقررہ سے پہلے روح کہاں قفس سے آزاد ہوتی ہے۔ بے مہر دنیا میں بے لوث محبت کی خواہش مند وہ بھی تھی پر ہر جانب سے اُس کے وجود کو دھتکار کر اُس کی ذات کو بے مول کر دیا گیا

تھا۔ اب آخری نشست لگانے والا اُس کا شوہر تھا عون اسحاق پر اب اُس نے تھان لی تھی کہ اس بار وہ خود کی تذلیل سے پہلے ہی ایک حتمی فیصلہ کر کے یقین نامی فریب اور دھوکا کھانے سے پہلے ہی اپنے راستے کا چناؤ کر لے گی۔

☆☆☆

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔۔۔"

السلام علیکم احباب۔۔۔"

"ناولز کی دنیا" کے ناولز میں خوش آمدید۔۔۔۔

ناولز کی دنیا (NKD) کی جانب سے ناولز کو بغیر کسی غلطی کے آپ تک پہنچانے کی کوشش کی گئی۔ اگر کوئی غلطی اس میں ملتی ہے تو اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔ کیونکہ ناول کو پورا پروف ریڈ کر کے ہی پبلش کیا جاتا ہے چونکہ ہونا محض اتفاق ہوگا۔۔

نئے اور مختلف لکھنے والوں کے لیے "ناولز کی دنیا" ویب سائٹ / گروپ / پیج / یوٹیوب چینل دے رہا ہے تمام لکھاریوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم جہاں آپ اپنی خداداد صلاحیتوں کو اپنے قلم سے تحریر کر کے اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کر سکتے ہیں۔۔۔ اگر آپ کو بھی اللہ کی طرف سے یہ صلاحیت دی گئی ہے تو اسے اجاگر ضرور کریں۔۔۔ ہمیں آپ جیسے ہی لکھاریوں کی تلاش اور ضرورت ہے۔۔۔

اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں۔۔۔ اپنی تحریر اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ جتنا جلدی ہو سکا آپ کی تحریر پوسٹ ہو جائے گی۔۔۔

مزید تفصیلات یا کسی بھی طرح کی مدد کے لیے ہم سے گروپ یا پیج انباکس میں رابطہ کریں یا ای میل پر ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔۔۔

Email address :- Novelskiduniya77@gmail.com

Facebook page :- [Novels ki duniya](https://www.facebook.com/Novelski.duniya)

(user name [@zoyatalib77](https://www.facebook.com/zoyatalib77))

Facebook group :- [Novels ki duniya](https://www.facebook.com/Novelski.duniya)

Instagram Page :- [Nkd \(ZT\)](https://www.instagram.com/Nkd_ZT) (UserName: [Novelskiduniya77](https://www.instagram.com/Novelskiduniya77))

Youtube Channel: Novels Ki Dunya (NKD) Official

(پر خیال رہے کہ یہ گروپ زویا طالب کا ہی ہو) اور باقی کے رابطے کے لیے ہر پیج کے نیچے Blue الفاظ میں لکھے لفظ میں آپکو لنکس مل جائے گے شکریہ۔۔۔۔۔

عون آفس سے واپس آیا۔ آج کی میٹنگ میں وہ اتنا الجھ گیا تھا کہ گھر کی خیر خبر پوچھنا ہی بھول گیا۔ فریش ہو کر کمرے سے باہر نکالا۔ کیچن سے برتنوں کے کھڑکنے کی آواز لاؤنج میں آرہی تھی تو وہ کیچن تک گیا کاؤنٹر پر پڑے گلاس کو اٹھایا اور کرسی کھینچ کر بیٹھتا پانی پی گیا پھر خالی گلاس ٹیبل پر رکھتا مڑا۔

"امی میں زینہ کو دیکھ کر آتا ہوں آپ کھانا لگالیں جب تک"۔ اُن کو آگاہ کیا تو امی نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا۔ وہ کمرے کے دروازے کے سامنے رکا پھر دستک دی اور ناپ گھما کر اندر گھس گیا۔ نظر اُس پر پڑی جو سنگل صوفے پر گم صم بیٹھی کھڑکی سے باہر ٹک دیکھنے میں محو تھی۔ رنگ میں گھلی زردی ہنوز ابھی بھی قائم تھی البتہ ایک رخ سے دکھتا چہرہ بالکل بے تاثر تھا۔

"زینہ۔" اُس کی توجہ حاصل کرنے کے لیے نام پکارا تو اُس نے نگاہیں پھیر کر اُسے دیکھا۔ ستے چہرے پر ایک ہیبت زدہ سختی طاری تھی جبکہ آنکھیں بالکل ویران تھیں۔ سوالیہ نگاہیں اُس پر مرکوز تھیں۔

"طبیعت کیسی ہے؟" پچھلے بار کے برعکس اُس کے لہجے میں نرمی جھلک رہی تھی۔

"ٹھیک۔" دو منٹ کے توقف کے بعد بس ایک لفظی جواب ملا۔ جہاں تک اُسے یاد تھا وہ کبھی اتنی بے رخی سے بات نہیں کرتی تھی جب بھی وہ اُس کا حال احوال دریافت کرتا تو رسماً ہی صحیح پر انداز میں ہمیشہ واضح بشارت ہوتی۔ تو کیا وہ کل والی حرکت پر ناراضگی کا اظہار کر رہی تھی۔ پوچھنا تو وہ اُس سے کل کے حوالے سے بہت کچھ چاہتا تھا پر ابتر ہوئی حالت کی بدولت اُس نے چپ تھان لی تھی۔

"کل والی بات کے لیے۔۔۔"

اس سے پہلے کہ وہ اپنی بات پوری کر تازینہ اپنی جگہ سے اٹھی اور اُس کے روبرو آکر کھڑی ہو گئی۔ جب کہ بادامی آنکھوں کو اُس کے انداز سے تشویش لاحق ہوئی تو یک دم لب خاموش ہو گئے۔

"مجھے چھوڑ دیں۔" اس بات پر اُس کا دماغ بھک سے اڑا، وہ تو یہاں خیریت دریافت اور معذرت کرنے آیا تھا پر وہ تو جیسے کچھ اور ہی سوچ کر بیٹھی تھی۔

"کیا بولی؟" اُس نے اچھنبے سے اُسے دیکھا کل تک جو اپنی ذات تک کے لیے آواز اٹھانے کی اہل نہیں تھی آج اُسے کے سامنے کھڑی اتنی بڑی بات کر رہی تھی۔

"مجھے چھوڑ دیں۔ جانے دیں مجھے یہاں سے۔ میں نہیں رہنا چاہتی آپ کے ساتھ۔" ٹھہرے ہوئے مضبوط لہجے میں سیاہ آنکھیں بادامی آنکھوں میں گاڑھے وہ اتنا بڑا مطالبہ کر رہی تھی۔

"تم مجھ سے طلاق مانگ رہی ہو؟" اُسے اپنی آواز غار سے آتی معلوم ہوئی۔ کیا وہ واقعی میں سچ میں بول رہی تھی یا صرف اُس کا شبہ تھا۔

"کر دیں آزاد اپنے نام سے پھر سب کی طرح آپ بھی کل کو بولیں گے کہ آپ کا نام اور عزت مجھ جیسی خرافہ نے پامال اور مجروح کر دی" پہلی بار اُس کے انداز میں طنز آیا اور ہونٹوں پر استہزایہ ہنسی نے احاطہ کیا۔

"تم ایسی بہکی بہکی باتیں کیوں کر رہی ہو زینہ؟ کہیں دماغ پر چوٹ تو نہیں لگ گئی تمہارے؟" اب کی بار آواز کی نرمی زائل ہو گئی اور سختی در آئی جبکہ آنکھوں میں تنبیہ جھلکنے لگی پر زینہ پر کوئی اثر مرتب نہ ہوا۔

"میں بالکل ہوش و حواس میں ساری بات کر رہی ہوں۔ مجھے چھوڑ دیں۔ کیوں اپنے سر پر بدکردار بیوی کے شوہر کا لیبل لگاوا رہے ہیں۔" مستقبل میں پچھتاوا پالنے سے بہتر ہے ابھی مجھ سے جان چھڑوا لیں۔

ایک ایک لفظ پر زور دیتی وہ دوبدو اُسے جواب دے رہی تھی۔ بس یہاں آکر ضبط ٹوٹ گیا، آنکھوں کی ڈوریں سرخ پڑنے لگیں، چہرے پر غضب ناک تاثرات نے بسیرا کر لیا۔

"شٹ آپ ایک لفظ اگر تم آگے بولی تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا۔ کل تمہاری یہ زبان کہاں تھی؟" جسے آج تم بے دھرم استعمال کر رہی ہو اور نہیں دوں گا طلاق تمہیں، ہرگز نہیں دوں گا۔ آئندہ ایسے الفاظ منہ سے نکالنے سے پہلے ہزار بار سوچنا۔" اب کی بار وہ ہر لحاظ پر لعنت بھیجتا غرایا۔

"پھر نہ دیں میں خود چلی جاؤں گیں یہاں سے۔" وہ بھی اُسی کا انداز اپناتے اونچا بولی پہلے کے برعکس آنکھوں میں نمی آگئی پر اب کی بار اُس نے آنسوؤں کو نکلنے کی اجازت نہیں دی۔

"ایک قدم باہر رکھنا اس چار دیواری سے پھر یاد رکھنا یہ جن دو ٹانگوں پر تم کھڑی ہو اُن سے بھی جاؤ گی۔" تندہی سے خطرناک لہجے میں دھمکی دی اور مڑ گیا۔ اُسے وہاں سے ہٹ جانا ہی سب سے بہترین حل لگا ورنہ اُس لڑکی نے تو آج اُس کا دماغ گھومنے کی قسم کھا رکھی تھی۔ زینہ تو جیسے آج ٹھان کر بیٹھی تھی یا تو آڑیا پھر پار وہ ایک قدم آگے آئی اور اُس کا ہاتھ پکڑ کر اُسے روکنے کی کوشش کی۔

"عون میری بات سنیں۔ اب کہاں جا رہے ہیں؟" وہ بھی گلے کے بل چلائی عون نے سرد آہ بھر کر خود کو کسی بھی قسم کے انتہائی قدم اٹھانے سے روکا۔ لب ایک دوسرے سے پیوست کر کے یک دم مڑا۔ اُن غزالی آنکھوں کو تنافر سے دیکھا پھر دوسرے ہاتھ سے اُس کا ہاتھ ہٹایا اگر چاہتا تو وہ اُس کے ایک جھٹکے کی مار تھی مگر وہ اپنی غلطی دہرانے سے گریز کر رہا تھا۔ پھر اُس کے چہرے سے ایک انچ کی دوری پر طیش سے سرد آواز میں سرگوشی کی۔

"زینہ بتول تم عون اسحاق کی ملکیت ہو اور اپنی ملکیت سے دستبردار ہونا میں نے نہیں سیکھا۔" پلٹ کر دروازے پر کھڑی ماں کو ایک نظر دیکھا اور کمرے سے ایک جست میں نکل گیا۔

پیچھے اُسے حیرت و انبساط میں چھوڑ گیا۔ ملکیت وہ واحد لفظ تھا جو پورے تکلم میں سے اُس کے دماغ میں گونجنے لگا یعنی اب وہ اُس کی ذات کو ایک چیز سے تشبیہ دے رہا تھا۔ بدگمانی اور رنجش مزید بڑھ گئی، بے بسی کے مارے ایک آنسو پلکوں سے جدا ہو کر اُس کے رخسار پر پھلسا۔ عون کی امی نے ترحم بھری نگاہوں سے اُسے دیکھا پھر نکل کر بیٹے کے کمرے کے بند دروازے پر نظر ڈالی اور گہری سانس کھینچتی کیچن کی جانب بڑھ گئیں کیونکہ ابھی انہیں اُن کے حال پر چھوڑ دینا ہی بہتر تھا۔

☆☆☆

"عون کوئی بات نہیں بیٹا بچی ہے جذباتیت میں آکر اُس نے ایسی بات کر دی ہوگی۔" تقریباً ایک گھنٹے بعد امی بستر پر اُس کے قریب شانے پر ہاتھ دھرے بیٹھی تھیں جبکہ عون نے اپنا سر ہاتھوں میں گرایا ہوا تھا۔

"امی بچی نہیں ہے وہ، اکیس سال کی باشعور اور بالغ لڑکی ہے۔ اتنا بڑا مطالبہ ایسے ہی تھوڑی کر رہی ہے۔" اُس نے سر اٹھا کر ماں کو دیکھا جو پریشانی سے اُسی کو دیکھ رہی تھیں۔

"میں بات کروں گی بیٹا۔ تم دل پر مت لو اُس کی باتوں کو بیمار ہے ابھی اتنے بڑے حادثے سے گزری ہے ایسے میں منفی سوچیں آجاتی ہیں دماغ میں۔" انھوں نے بیٹے کا دل صاف کرنے کے لیے ایک دلیل پیش کی۔ ماں تھیں جانتی تھی اُس کے جذبات و احساسات کو اور وہ ہر گز یہ نہیں چاہتی تھیں کہ اُس کے دل و دماغ میں زینہ کو لے کر کوئی برا گمان آئے۔

"امی آپ نے کل کہا تھا میں اُس سے عزت سے پیش آؤں اور میں تلافی بھی کرنے گیا تھا۔ ٹھیک ہے کل میری غلطی تھی میں نے تسلیم کیا پر آج کا کیا؟ آج اُس نے مجھے خود مجبور کیا۔ کوئی گڑیا گڈے کا کھیل تھوڑی ہے ایک لمحے میں تین لفظ بول کر فارغ کر دوں۔ آپ خود بتائیں مجھے میں کیا کروں؟ جب میں اُسے چھوڑنا نہیں چاہتا تو وہ کیوں ایسی بات کر رہی ہے؟ میں نے تو کل کے حوالے سے بھی اُس سے اب تک ایک بات دریافت نہیں کی جبکہ میں اُس سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کون تھا اور وہ اتنی سہمی ہوئی کیوں تھی؟ جب میں اُس پر شک نہیں کر رہا، کوئی دلیل یا کوئی صفائی نہیں مانگ رہا تو وہ کیوں مجھ سے طلاق مانگ رہی ہے؟" میں آپ کو بتا رہا ہوں میں اُس کا یہ مطالبہ ہرگز نہیں مانوں گا۔ نہیں چھوڑوں گا اُسے۔ "وہ اٹل لہجے میں برہم ہوا اور واپس اپنا سر ہاتھوں میں گرالیا۔

"عمون بیٹا کچھ نہیں ہو گا۔ مان جائے گی میں خود اُس سے بات کروں گیں۔" انھوں نے تسلی اور دلاسا دے کر اُس کے دماغ کو ٹھنڈا کرنے کی بھرپور سعی کی۔

"اُف امی میں پاگل ہو جاؤں گا۔" اُس نے ہیریانی انداز اُسی پوزیشن میں بیٹھے اپنے بال مٹھیوں میں بھینچ لیے تو انہوں نے دل گرفتگی سے اپنے بیٹے کو دیکھا جو غصہ بہت کم ہوتا تھا اور جب ہوتا تھا تو اُسے کنٹرول کرنے کی غرض سے الٹی سیدھی حرکات کرتا تھا۔ انھوں نے نرمی سے اُس کے ہاتھوں سے اُس کے بال آزاد کر دئے اور اُس کا چہرہ اٹھایا جس کی بدولت نظر سب سے پہلے اُس کی سرخ پڑتی آنکھوں پر پڑی۔

"عمون بس غصہ کے بجائے ٹھنڈے دماغ سے سوچو بیٹا۔ اب یہی بیٹھو خبردار جو دروازے کو کنڈالگیا تو کھانا لارہی ہوں وہ کھاؤ پھر دوائی لو سر درد کی اور شرافت سے سو جاؤ۔" اُس نے گردن نفی میں ہلائی۔

"مجھے بھوک نہیں ہے بس آپ دوائی لادیں تاکہ میں سو جاؤ۔" امی نے اُسے فہمائی نگاہوں سے دیکھا۔

"چپ کرو پہلے ہی صبح بھی ناشتہ ٹھیک سے نہیں کیا تھا۔ بیمار پڑنا چاہتے ہو؟" وہ تحکم لہجے میں بولنے کے بعد پلٹ کر تمام چیزیں لینے نکل گئیں اور عون بستر پر لیٹ گیا۔ اُسے دماغ کے شریانے درد سے پھٹے محسوس ہو رہے تھے۔

☆☆☆

عون کو جبراً کھانا کھلا کر دوائی آدھے گلاس دودھ کے ساتھ دے کر ہاتھ میں ڈش پکڑے کمرے میں داخل ہوئیں اور کھانا اُس کے سامنے رکھا پر اُس کے وجود میں ایک ذرا جنبش پیدا نہیں ہوئی۔ وہ بالکل ساکن بیٹھی مسلسل کھڑکی کو تک رہی تھی۔

"زینہ میرے بچے کھانا کھاؤ۔" انھوں نے اُس کا ہاتھ تھام کر ہلایا تو اُس نے ایک خالی الذہن اور بنجر پڑی نگاہوں سے اُنہیں دیکھا پھر سر نفی میں ہلادیا۔

"کیوں نہیں کھاؤ کھانا۔ اس نے کیا کر دیا بھلا۔ رزق سے منہ پھیرنا اور خود پر جبر کرنا گناہ ہے بچے، چلو تھوڑا سا کھالو میں نے بھی نہیں کھایا میں بھی اپنی بیٹی کے ساتھ کھاؤ گیں۔" اپنائیت سے چچج میں چاول بھر کے اُس کے منہ کے سامنے لائی تو زینہ نے ایک منٹ دیکھنے کے بعد منہ کھول دیا جس پر انھوں نے مسکرا کر نوالہ بسم اللہ پڑھ کے اُس کے منہ ڈالا پھر خود بھی اُس چچج سے ایک لقمہ لیا۔ تو کیا انھوں نے واقعی میں کھانا نہیں کھایا تھا؟ اُس نے اپنے سامنے بیٹھی اُس شفیق اور پر خلوص خاتون کو دیکھا جب انھوں نے اگلا نوالہ اُس کے منہ میں ڈالا تو آنکھوں کے گوشے بھینگنے لگے وہ کہاں اس طرح کے برتاؤ کی عادی تھی۔ بھلے اپنے گھر میں پورے دن کا کھانا نہ کھاتی کسی کو فرق نہیں پڑتا اور یہاں ایک یہ تھیں جو اُس کی بد تمیزی دیکھنے کے بعد بھی محبت اور پیار سے پیش آرہی تھیں۔

"امی۔" بے ساختہ اُس کے منہ سے یہ الفاظ ادا ہو اتو عون کی امی کا ہاتھ اپنے منہ تک جاتے تھا پھر اُن کے لب مسکراہٹ میں ڈھل گئے۔ انھوں نے چیچ واپس پلیٹ میں دھر اور خود تھوڑا سا آگے ہو کر اُس کی بے داغ پیشانی چومی۔

"بالکل یہی تو میں چاہتی تھی کہ تم بھی عون کی طرح مجھے امی بولو اور بغیر ڈرے اپنے دل کی باتیں بھی مجھ سے شیئر کرو کیوں کہ زینہ میری جان میرا اللہ گواہ ہے تم میری اولاد سے کم نہیں ہو میرے لیے۔" اپنے ہاتھ کی پشت سے اُس کی آنکھ کے کنارے صاف کیے اور پھر واپس نوالہ اپنے منہ میں ڈال کر ایک بار پھر بھر کر چیچ اُس کے سامنے کیا تو زینہ نے بغیر کسی احتجاج کے منہ کھول دیا اور آہستگی سے چبانے لگی۔ پھر تقریباً مزید چار پانچ نوالوں کے بعد سر نفی میں ہلایا۔ "بس اور نہیں۔"

"چلو ٹھیک ہے پھر یہ دودھ لو اور دوائی کھاؤ اپنی شاباش۔" انہوں نے اُٹھ کر سائٹ ٹیبل پر دھری دوائی اٹھائی اور اُسے ہتھیلی سامنے کرنے کا اشارہ کیا تو اُس نے خاموشی سے ہاتھ اُن کے سامنے پھیلا دیا۔ انھوں نے دوائی نکالنے کے بعد ڈش میں پڑے دودھ کے گلاس سے ڈھکن اُتار کر اُس کے سامنے کیا جسے اُس نے پکڑ کر دوائی حلق میں اتاری اور دو تین گھونٹ دودھ کے بھر کر اُسے واپس رکھ دیا۔ عون کی امی خاموشی سے پلیٹ کے بچے چاول ختم کرے تو زینہ نے انگلیاں مڑورتے جھکا منہ اُٹھا کر انہیں دیکھا۔

"آپ اُن سے بولیں نا کے مجھے چھوڑ دیں۔" اور وہ یہی تو چاہتی تھیں کہ وہ خود اُس موضوع کو چھیڑے۔ انھوں نے ڈش ایک جانب کھسکائی اور خود اُس کے چہرے کو بغور جانچتی نگاہوں سے دیکھا پھر نرمی سے اُس کے ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھامے۔

"کیوں بچے؟ کیا عون کی کل والی حرکت نے آپ کو دلبرداشتہ کیا ہے؟ جو بھی بات ہے کھل کر مجھ سے بیان کریں۔ بغیر گھبرائے جو بھی بات ہے مجھے بتائیں۔" اب کی بار انھوں نے اُس کے ہاتھوں پر دباؤ ڈالتے اُس سے استفسار کیا۔ ایک منٹ لب کچلنے کے بعد منہ جھکائے وہ بھیگی آواز میں بولنا شروع ہوئی۔

"میں نہیں گزار سکتی اُن کے ساتھ زندگی۔ میرا اور اُن کا سرے سے ہی کوئی جوڑ نہیں۔ نکاح بھی ابو کی مرضی سے ہوا تھا اور اب جب کے بابا نے مجھے چھوڑ دیا ہے تو میں بھی انہیں چھوڑنا چاہتی ہوں۔ وہ میرے ساتھ خوش نہیں رہیں گیں۔" اُس نے بات کا محض وہ پہلو بیان کیا جو وہ بتانا چاہتی تھی۔

"اور آپ رہیں گیں کہاں کس کے پاس جائیں گیں؟"

"کہیں بھی چلی جاؤں گیں کسی بھی درلا امان ویسے بھی یتیم تو وہی رہتے ہیں۔"

آخری بات کا یقین وہ اُن سے زیادہ خود کو کروا رہی تھی کہ فقط صرف وہی ایک جگہ تھی جو اُس کے گندے وجود کو سہارا اٹھا سکتی تھی۔ زکوٰۃ کی دی گئی چھت اور چند نوالے زندگی بسر کرنے کے لیے کافی تھے۔ کم سے کم کسی سے بھیگ تو نہیں مانگنی پڑے گی اور نہ ہی روزانہ اپنے کردار کی گواہی دینی پڑے گی۔

"تو کیا آپ کو لگتا ہے وہاں پر آپ کو تحفظ فراہم ہو جائے گا زینہ؟ نہیں ہو گا یہ دنیا بہت ظالم ہے بچے یہاں پر چھوٹے بڑے کا لحاظ لوگ بھلائے بیٹھے ہیں یہاں پر کوئی کسی کو چھت بغیر غرض کے نہیں دیتا میری بیٹی۔ آپ یہ گھر دیکھ رہی ہیں۔ ہمیں سالوں کی جستجو کہ بعد جا کر یہ زمین کا ٹکڑا میسر ہوا ہے۔ عون کے ابو کی وفات جب ہوئی تھی تب وہ بہت چھوٹا تھا محض صرف سات سال کا چھوٹا معصوم بچہ اور میں ٹھہری یتیم میرے ارگرد کوئی ایسا محفوظ اسرا نہیں تھا جس سے میں اپنا دکھ بانٹ کر تھوڑا سکون طلب کر لیتی۔ عون کے ابو کا چھوڑا وہ کچا پکا مکان اور

اُن کی کچھ جما پونجی ہی ہم ماں بیٹا کا سہارا تھی۔ پھر ایک وقت آیا جب گھر میں فاقوں کی نوبت آگئی تب جا کر میں نے ایک رات عون کے اچھے مستقبل کی خاطر اپنے گھر سے قدم باہر دھرا۔ اُسی دن مجھے احساس ہو کے دنیا کتنی سفاک اور خوفناک ہے۔ ہمارے معاشرے میں قسم قسم کے بھیڑیے بستے ہیں میری جان جب وہ ایک بیوہ کو نہیں چھوڑتے تو بے داغ طلاق یافتہ کم عمر لڑکی کو کیا چھوڑیں گیں۔ یہ ہاتھ دیکھ رہی ہو انہوں نے میرا بہت سا تھ دیا۔ اکثر مجھے لوگوں کے غلیظ جملے، گندی باتیں، یا تک نگاہیں بھی خود کو لپیٹ میں لیتی محسوس ہوئیں۔ میں گھر آ کر عون سے چھپ کر اپنے تکیے میں آنسو بہایا کرتی تھی کہ کہیں اُسے کچھ پتہ نہ چل جائے۔ پر وہ بچہ اپنی کم عمری میں ہی بہت سمجھدار ہو گیا تھا روز صبح اُٹھ کر وہ صرف میری سو جھبی آنکھوں کو چومتا تھا جس سے میری ٹوٹی ہمت بندھ جاتی تھی اور میں ایک بار پھر ہمت مجتمع کر کے قدم گھر سے باہر رکھتی تھی۔ جانتی ہو جب عون پندرہ سال کا ہوا تھا اُس دن صبح میں اُس نے مجھ سے بولا کہ امی اب آپ گھروں کے کام کے لیے مت جایا کریں اور جب میں نے وجہ دریافت کی تو بولا میں ہوں نا امی سب سنبھال لوں گا۔ اس دن کے بعد سے میں گھر گھر پھرنے کے بجائے صرف ایک خاتون کے گھر جاتی تھی جو بہت شفیق تھیں۔ اس کے علاوہ باقی ساری ذمہ داریاں میرے بیٹے نے اپنے کندھوں پر اٹھالیں تھیں۔ سارا دن کام کرتا تھا اور رات میں پڑھائی۔ یہ سب باتیں میں اس لیے نہیں بتا رہی کہ تمہیں ایمو شنلی ٹریپ کروں بلکہ میں صرف یہ واضح کر رہی ہوں کہ میرے ساتھ ایک ساتھ ہونے کے باوجود اتنے مسائل درپیش ہوئے تھے تو تم تو پھر اکیلی جان ہو بیٹا۔ لوگ عزتوں پر ہاتھ ڈالنے سے پہلے بالکل خیال نہیں کرتے۔ میری پیاری بیٹی زینہ جو کچھ تمہارے ساتھ ہوا ہے وہ تمہارا گزرا ہوا کل تھا آنے والے مستقبل کو تم محض اپنے کل کی بنا پر تہہ نہ کرو تھل مزاجی سے کام لو، کچھ مہلت لو اُس کے بعد جو تمہارا فیصلہ ہو گا میں خود اُس میں تمہارا ساتھ دوں گی۔ ولیمہ بھی ہم ابھی کہ لیے ملتوی کر دیتے جتنا وقت درکار ہے لو، عون کو موقع دے کر دیکھو

میرے بچے۔ وہ اتنا برا نہیں جتنا تم نے اُس کے بارے میں گمان کر لیا۔ جیسے تمہارے ابو نے عون کو پسند کیا تھا بالکل ویسے ہی تم میری پسند ہو۔ میں نے عون سے صرف بات کی تھی اور اُس نے کوئی بھی سوال کیے بغیر ہامی بھر دی تھی۔ مگر اب وہ تمہیں چھوڑنے پر رضامند نہیں ہے۔ طلاق بہت بڑا فیصلہ ہوتا ہے یک دم اتنے بڑے فیصلے نہیں لیتے۔ اگر عون کو تمہیں چھوڑنا ہوتا تو وہ اُسی دن چھوڑ دیتا اس طرح تمہیں اپنے ساتھ نہ لاتا۔ "اُنھوں نے تسلی سے ٹھہرے ہوئے لہجے میں نرمی اور پیار سے سمجھایا اور اپنی بات کے اختتام پر اُس کے دونوں ہاتھ باری باری چومے۔

"جو جگہ میرے دل میں عون کی ہے بالکل ویسے ہی میری بیٹی کے لیے ہے۔ میرے بچے جو بھی مسئلہ ہو تم مجھ سے اپنی دل میں آتی ساری باتیں بلا جھجک بول دیا کرو۔ میں کبھی بھی اپنی بیٹی کی کسی بات کا برا نہیں مناؤں گی۔" زینہ اُن کی بات پر صرف سر ہلا سکی۔ پھر عون کی امی اُنھیں اور اُس کے سر پر پیار کیا ڈش پکڑی اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔ زینہ نے بند دروازے کو ایک نظر دیکھ پھر بستر پر لیٹ گئی۔

☆☆☆

اُس دن کے بعد سے عون اور اُس کے درمیان ایک سرد جنگ کا افتتاح ہو گیا۔ عون کی امی کی اُن تھک محنت کے نتیجے میں زینہ ناصر ف کمرے سے باہر نکلنا شروع ہو گئی تھی بلکہ اُن کا کاموں میں بھی ہاتھ بٹانے لگی البتہ بات اب بھی وہ کم ہی کرتی تھی پر عون کی امی خوش تھیں کم سے کم وہ بند کمرے سے تو نکل گئی تھی۔ اس لیے وہ کام کرتے چھوٹی موٹی باتیں کرتی رہتی تھیں جبکہ زینہ خاموشی سے سن لیا کرتی تھی۔ اُن دونوں کی آپس کی مشاورت کے بعد عون کی امی نے کام والی سے اُسے بھیجی کہہ کر متعارف کروادیا تھا اور زینہ نے بھی احتجاج نہیں کیا بلکہ آرام سے مان گئی۔ اتنی سمجھدار تو وہ بھی تھی ہر وجہ کو جانتی تھی۔ عون بھی صبح سویرے گھر سے نکل جاتا اور رات ٹہلنے تک گھر گھستا اور جب تک زینہ کمرے میں چلی جاتی تھی۔ مگر امی اپنی جانب سے اُن دونوں کو ایک دوسرے کی

موجودگی کا احساس دلانے کے لیے کوئی نہ کوئی بات کرتی رہتیں۔ زینہ سے اگر وہ عون کے بچپن کی باتیں کرتیں تو جس دن زینہ کھانا بناتی اُس دن عون کو لازمی چھک کر بتاتیں کہ آج کھانا اُن کی بیٹی نے بنایا ہے اور عون صرف سر ہلانے پر اکتفا کرتا۔ چھٹی والے دن عون اپنے کمرے سے جان کر بارہ بجے تک نکلتا تھا جب وہ آتا تو زینہ کمرے میں محدود ہو جاتی۔ اگر وہ احتراز برت رہی تھی تو عون بھی بھرپور احتراز برت رہا تھا۔ معمول کی طرح آج بھی ویک ڈے تھا پر عون گھر جلدی آگیا تھا اس لیے زینہ کمرے میں آگئی۔

"زینہ بچے۔" عون کی امی کی آواز آئی تو صوفے پر بیٹھے اُس نے چہرہ پھیر کر دیکھا۔

"جی امی۔"

"بچے عون کو چائے بنا کر اُس کے کمرے میں دے آؤ گی؟ مجھے ساتھ والوں کے گھر نکلنا ہے بتایا تھا نا کہ فوٹنگی ہوئی ہے میت بھی پہنچنے والی ہے۔" الماری سے بڑی سی چادر نکال کر لیتے ہوئے ایک نظر اُس پر ڈالی تو زینہ نے بے دلی سے سر کو اثبات میں ہلادیا۔

"چلو ٹھیک ہے اب میں جا رہی ہوں عون کو بتادیا ہے ایک گھنٹے تک آجاؤں گی۔"

قریب آکر اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور باہر نکلیں تو زینہ نے بھی کھڑے ہو کر اپنے پیروں میں چپل اڑا سستی اُن کے پیچھے کمرے سے نکلی۔ اُنہیں بیرونی دروازے تک چھوڑنے کے بعد کیچن میں آگئی۔ چائے تیار کرنے کے بعد سر پر لیے ڈوپٹے کو ٹھیک کیا ڈش میں چائے رکھی اور عون کے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ دروازے پر روکنے کے بعد ایک گہری سانس اندر کھینچی اور دستک دی مگر کوئی جواب نہیں ملا تو اُس نے ناپ گھما کر ایک نظر اندر دیکھا وہ کہیں نہیں تھا۔ شاید واش روم میں تھا اُس نے سکھ کا سانس بھرا اور اندر قدم رکھے۔ اب اُس کا ارادہ سامنے پڑے ٹیبل پر چائے

دھر کے چلے جانے کا تھا۔ وہ ویسے بھی عون کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی، نہ ہی تلخ کلامی کرنے کا منصوبہ تھا کیونکہ پچھلے گزرے ایام میں اُن کے درمیان بحث کے سوا ہوا ہی کیا تھا؟ وشروم سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی مطلب اُس کا شک درست تھا۔ اُس نے ٹیبل پر چائے رکھی تو یک دم ٹیبل پر پڑا کوئی کاغذ نما چیز اُس کے قدموں میں گری۔ زینہ نے اُسے واپس رکھنے کے غرض سے جھک کر اٹھانا چاہا پر سامنے پڑی چیز نے اُس کا رنگ فق کر دیا۔ اُس نے خشک پڑتے لبوں کو تر کیا اور پھر لرزتے ہاتھوں سے اُسے اٹھا کر سیدھی ہوئی۔ اُس نے پلکیں جھپکی کہ شاید اُسے دیکھنے میں دھوکا ہوا ہو پر وہ واقعی میں وہی تھی۔ اُس پر ایک دم وہی کیفیت طاری ہونے لگی۔ اُس نے ٹیبل پر الٹی پڑیں مزید تصویروں کو دیکھا اور پھر بلا توقف ایک دم سے جھک کر اُن ساروں کو سیدھا کیا۔ آنکھوں میں نمی اترنے لگی، لرزتی پلکیں، فق ہوئی رنگت، سکتے کے مارے اُس کے لب نیم وا ہو گئے۔ وہ ساری تصویریں اُس کی تھیں کچھ نیم برہنا، کچھ مجیب کمال کے انتہائی قریب کھڑے۔ وہ وہی تھی!! پر سچائی تو اصل میں وہی جانتی تھی۔ اپنی آمد کا مقصد بھولائے وہ ساکن، جمود ہوئے بس اڑے حواسوں سے اُن کو دیکھ رہی تھی۔ اتنے میں واشروم کا دروازہ کھلا بھیگا چہرہ لیے وہ نکلا مگر جب نگاہ سامنے پڑی تو یک دم ٹھہر گیا مگر اگلے ہی لمحے وہ اُس کے سر پر پہنچا اور بنا توقف اُن سب کو پلٹ دیا۔ خشمگین نگاہیں اُس پر ڈالی۔

"کیوں آئی تھی؟"

وہ ایک دم دھڑاتو زینہ نے ماؤف ہوتے دماغ سے چہرہ اٹھا کر اُسے دیکھا نگاہ سب سے پہلے اُس کی سرخ ہوتی آنکھوں پر پڑی پھر تنے نقوش اور پھر سختی سے پیوست کیے لب۔ تو کیا وہ بھی اُس کے کردار پر شک کر رہا تھا؟ دل میں سوال آیا جب دماغ نے تمسخر بھرے فقرے اُچھال کر اُس کی تذلیل کی۔ وہ اُس پر یقین کرتا ہی کب تھا؟ اُسے

ویسے ہی کھڑا پا کر عون دو قدم آگے بڑھا اور اُس کا بازو تھام کر اپنے ساتھ لے کر کمرے کے کھلے دروازے کے سامنے آیا اور اُسے چھوکت کے دوسری پار کھڑا کر کے بازو چھوڑ دیا۔

"آئندہ میرے کمرے میں گھسنے کی غلطی بھی مت کرنا۔" اب کی بار چلانے کے بجائے وہ سرد مہری سے بھرے انداز میں بولتے اُسے کے چہرے پر ایک آخری نگاہ ڈال کر فوراً سے دروازے کو اُس کے چہرے پر بھیڑ دیا۔ زینہ نے بے بسی سے بند دروازے کو دیکھا پھر کب سے روکے آنسو اُسے کی آنکھوں سے بہنے لگے، اُسے اپنا وجود بے جان ہوتا لگا۔ جبراً خود کو واپس اپنے کمرے کی جانب لے کر بڑھی۔ اب کی بار اُس کی چال میں لڑکھٹاہٹ تھی۔ وجود برے طریقے سے جھٹکوں کا شکار ہونے لگا تھا۔ کمرے میں آ کر اُس نے ہریانی انداز میں اپنے سر پر لیا ڈوپٹا اتار کر پرے پھینکا۔

"اللہ آخر میں ہی کیوں؟" دل ایک بار پھر چلایا اور اب کی بار وہ بستر پر لیٹ کر زور زور سے پھوٹ کر رونے لگی۔ اتنی ذلالت، اتنی توہین۔ جس طرح سے مجیب کمال کے ساتھ اُس کی تصویروں کو پیش کیا جا رہا تھا اصل میں حقیقت تو وہ جانتی تھی۔ جبکہ وہ برہنا تصویریں وہ تو قطعاً اُس کی نہیں تھیں۔ اُسے اپنی قسمت پر حزن و ملال ہونے لگا۔ آخر ہمیشہ وہ ہی کیوں اس طرح کے حادثات کا شکار ہوتی تھی؟ وہ تو پہلے ہی اُس پر اعتماد نہیں کرتا تھا اب تو وہ خود اُسے اس گھر سے ہاتھ پکڑ کر نکال دے گا۔ یہی وجہ تھی کہ آج سے تین ہفتے قبل اُس نے طلاق کا مطالبہ کیا تھا۔ اب کی بار وہ خود ہی باعزت طریقے سے سب کچھ پیچھے چھوڑ جانا چاہتی تھی۔ وہ تو اُس کی بات کا یقین بھی نہیں کرے گا۔

"اللہ۔"

اب کی بار وہ بلند آواز میں چیخی۔ اُسے اپنا دماغ چکراتا محسوس ہوا پر اُس کے سامنے تو ایک نہ ختم ہونے والا طویل ماتم پڑا تھا۔ وہ کس سے توکل رکھتی ایک بار پھر اُس کی عزت و توقیر کو کھلے چوڑاھے پر آگ لگائی جا رہی تھی پر وہ کچھ بھی کرنے سے قاصر تھی۔ وہ خالی ہاتھ تھی بالکل ایک بھیکاری کی طرح تھی بس محض ایک فرق تھا وہ لوگوں کے سامنے پیسے کے لیے کشتول لے کر کھڑے ہوتے ہیں پر وہ اللہ کی دنیا میں بستے سفاک اور ظالم لوگوں کے سامنے عزت کا کشتول تھا مے کھڑی تھی۔ پر کوئی نہیں تھا جو اُس سے وہ لے کر اُسے یہ بتاتا کہ تمہیں اس کی ضرورت نہیں ہے جبکہ تم بالکل صاف شفاف ہو بالکل ایک بہتے جھیل کے پانی کی مانند۔ اب سسکیاں اور ہچکیاں بندھنے لگیں تھیں پر آنکھیں تھیں جن سے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔

☆☆☆

رات کے تقریباً آٹھ بجے عون بیرونی دروازے سے گھر میں داخل ہوا تھا تو ماں کو عجلت میں کیچن کی سمت جاتے پایا۔ لاکھ اختلاف صحیح مگر اُسے شبہ لاحق ہوا۔

"کیا ہوا امی؟" اُس کی آواز پر وہ ایک دم ٹھہر کر مڑی۔

"عون تم نے زینہ سے کچھ کہا تھا؟" اب کی بار وہ سختی سے استفسار کرنے لگیں تو عون نے نظریں چراتے اپنا سر نفی میں ہلا دیا۔

"پھر پتا نہیں کیا ہو گیا اچھی بھلی چھوڑ کر میں اُسے گھر گئی تھی، اب پتا نہیں کیا ہوا ہے بخار میں تپ رہی ہے۔"

انہوں نے پریشانی سے اپنا سر مسلا۔ ایک گھنٹے بعد جب وہ واپس آئیں تھیں تو زینہ کمرے میں بستر پر اوندھے منہ گڑی پڑی تھی۔ وہ تشویش سے چادر صوفے پر دھر کر پاس آکر اُسے آواز لگائی پر کوئی جواب نہیں ملا۔ وہ خود ہی

آگے بڑھیں اور اُس کا ہاتھ تھپتھپایا جو بخار کی حدت سے تپ رہا تھا۔ جبکہ وہ بستر پر بے سود پڑی تھی۔ پھر انہوں نے بامشکل اُس کو سیدھا کیا تو اُس کی حالت دیکھ کر شش و پنج میں مبتلا ہو گئیں۔ متمتا چہرہ اور نرم پلکیں وہ فوراً سے اٹھ کر عون کے کمرے کی جانب گئیں پر دروازہ کھلا تھا اور عون کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔ اُس کے بعد سے وہ مسلسل اُس کے سر پر ٹھنڈے پانی کی پٹیاں رکھ رہیں تھیں اور اب جب اُسے تھوڑا سا ہوش آیا تھا تو کمرے سے نکل کے کیچن تک جا رہی تھیں تاکہ دودھ کہ ساتھ دوایاں دیں سکیں۔ پر راستے میں عون مل گیا۔

"عون سچ کہہ رہے ہو بیٹا تم نے کچھ نہیں بولا؟" متذبذب کھڑیں اُس پر نظریں جمائیں پھر وہی سوال دہرایا۔

"امی کچھ نہیں بولا میں نے اُسے۔ آپ جائیں میں دیکھتا ہوں اُسے۔" کتنی مشکل سے وہ کوئی بھی اقدام لینے سے پہلے خود سے ایک کشمکش کی جنگ لڑ کر آ رہا تھا۔ وہ بامشکل مسکرایا تو امی سر ہلا کر کیچن کی جانب بڑھ گئیں جبکہ عون قدم اٹھاتا اُن کے کمرے میں آیا۔ نظر اُس پر پڑی جس کی حالت کچھ ہی گھنٹوں میں ایک بار پھر تین ہفتے قبل جیسی ہو گئی تھی۔ ابھی اتوار کی صبح میں ہی تو اُس نے کمرے سے نکلتے اُس کی ایک جھلک دیکھی تھی۔ رنگ پھر پہلے جیسا نکھرا نکھرا ہو گیا تھا، صحت بھی بہتر تھی اور آنکھیں کم سے کم اس طرح تو نہیں سو جی تھیں۔ ماتھے پر ٹھنڈے پانی کی پٹی رکھی تھی، چہرے پر مٹے مٹے آنسوؤں کے نشانات اور نرم خمدار پلکیں جیسے وہ اُس کے کمرے میں داخل ہونے سے قبل ہی اپنا مشغلہ پورا کر کے آنکھیں موند کر لیٹی تھی۔ عون سرد آہ بھرتا اُس کے قریب آیا اور جھک کر اُس کی ہاتھ تھام کر بخار چیک کیا اور پھر چھوڑ دیا۔ پر ہاتھوں کی کپکپاہٹ نے اُسے اُس کا نام پکارنے پر مجبور کیا۔

"زینہ۔" سرگوشی نما آواز میں اُس کے نام کی پکار لگائی گئی تو دو منٹ کے توقف کے بعد زینہ نے بھرائی ہوئی مندی مندی آنکھیں کھول دیں۔

"طبعیت زیادہ خراب ہے۔" زینہ نے اُس کا چہرہ دیکھا جو کسی بھی قسم کے جذبے سے عاری تھا مگر بادامی آنکھوں کی سرخی ہنوز اب بھی قائم تھی۔

زینہ نے آہستہ سے سر نفی میں ہلایا تو وہ ایک نگاہ اُس پر ڈال کر مڑنے لگا جب زینہ کی نقابھٹ بھری آواز اُس کے کانوں میں پڑی۔

"عون۔" وہ رک گیا اور پھر پلٹا۔

"وہ۔۔۔ جھوٹ۔۔۔ ہے۔" رک رک کر وہ صفائی پیش کرنا چاہتی تھی، عون کی امی نے بولا تھا ایک بار اُسے آزما کر دیکھے بس وہ وہی کر رہی تھی۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ وہ کس طرح پیش آئے گا؟ چیخے گا یا باپ کی طرح بہتان لگائے گا۔ اور اگر اب اُس نے بھی یہی کیا تو زینہ موقع ملتے ہی اُن کا گھر چھوڑ دے گی وہ نہیں ٹھہرے گی بھلے وہ طلاق نہ دے۔ پر روز روز کی تذلیل اب اُس کے بس سے باہر تھی۔ عون کے تاثر اب بھی ہنوز ویسے ہی قائم تھے اُس نے سب سے پہلے اُن ہر فی جیسی سیاہ گہری غزالی آنکھوں کو دیکھا پھر اُسے کے ستے چہرے کو۔

"زینہ کیا میں نے وضاحت طلب کی؟" اُس نے سوال کیا اور پھر اُس کے قریب آیا۔

"میں نے کوئی بات کی؟ نہیں نا پھر تم خود ہی سب کچھ کیوں سوچ لیتی ہو۔ پہلے طبیعت ٹھیک کرو پھر ہم اس بارے میں بات کریں گیں اور بہتر ہو گا کہ امی سے اُن کا ذکر نہ کرنا۔ وہ ہم دونوں کے درمیان کی بات ہے وہی تک محدود رہنے دینا۔" اُس نے انتہائی سمجھداری سے جواب دیا۔ نہ اقرار کیا نہ ہی اُس کی بات کو جھٹلایا۔ وہ جان گیا تھا پہلے بھی اُس نے غصے میں آکر جو حرکت کی تھی اُس سے کہیں نہ کہیں زینہ کے دماغ میں منفی اثر مرتب کیا تھا۔ کمرے کی چوکھٹ پر امی کی موجودگی کا احساس ہوا تو وہ مڑا۔

"امی دوائی دیں اور اگر ایک گھنٹے بعد کوئی فرق نہ آئے تو بتا دیجیے گا میں ڈاکٹر کو لے آؤں گا"۔ ہموار لہجے میں بولتا اُن کے برابر سے نکل گیا۔ امی نے گردن موڑ کر پہلے عون کو دیکھا پھر واپس سیدھی ہو کر زینہ کے پاس آئیں اور ٹیبل پر دودھ اور دوائی دھری۔

"زینہ بیٹا تم لوگوں کی کوئی لڑائی ہوئی ہے پھر سے؟" زینہ نے اُٹھ کر بیٹھتے پڑ مردگی سے گردن کو نفی میں ہلایا۔ مگر وہ کیسے آنکھوں دیکھا جھٹلا سکتیں تھیں عون کا اُن سے نظریں چرانا اور آنکھوں کا سرخ ہونا دوسری جانب زینہ کی طبیعت خراب ہو جانا۔ وہ جان گئی تھیں کہ وہ دونوں کچھ چھپا رہے ہیں۔

"ٹھیک ہے مت بتاؤ مگر بیٹا اگر کوئی ایسی بات ہوئی جس کو جاننا میرا حق ہے تو مجھے لازمی بتانا۔ ابھی چلو شاباش یہ دودھ لو دوائی کہ ساتھ۔" اُن کی بات پر زینہ نے پلکیں جھپکتے کر آنسوؤں کو اندر اُنڈیلا اور لب کچلتے چہرہ اُٹھا کر انہیں دیکھا اور گلاس اُن کے ہاتھوں سے لے لیا۔ وہ انہیں کس منہ سے ساری بات بتاتی اور پھر عون بھی ابھی منع کر کے گیا تھا۔

☆☆☆

عون نے کمرے کا دروازہ بند کیا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ آخر اتنے دنوں سے اُس کی زندگی میں چل کیا رہا تھا۔ بس اُسے ایک بات کا علم تھا کہ یہ سب اُسے ذہنی اذیت میں مبتلا کر رہا تھا۔ آج بھی وہ آفس میں تھا جب اُسے پارسل رسیو ہوا پہلے تو سرسری نگاہ ڈال کر اُس نے دراز میں رکھ دیا پر جب بریک میں مصروفیت سے فارغ ہوا تو سب سے پہلا خیال اُسی بے نام لفافے کا آیا۔ جب اُس نے وہ چاک کر کے دیکھا تو اُس کی ہوا یاں صحیح معنوں میں اڑیں مگر پھر اُس نے فوراً اُسے واپس پھینکا اور اپنی چیزیں سمیٹ کر اپنے کولیگ سے طبیعت خرابی کا بہانہ بنا کر وہاں سے نکل گیا۔ ویسے بھی آج کوئی خاص میٹنگ نہیں تھی اور ضروری کام وہ نمٹا چکا تھا۔ گھر پہنچنے تک اُس کا پارہ ساتویں آسمان

کو چھو رہا تھا۔ سب سے پہلے وہ زینہ سے ہی اس بارے میں بات کرنا چاہتا تھا اور وہ امی کے کمرے کے دروازے کے سامنے رکا بھی تھا۔ پر اس سے پہلے کے وہ کمرے کا دروازہ کھولتا، اُسے سالوں پہلے اپنی ماں کی گئی بات یاد آئی۔

"عون تم میرے بیٹے ہو نہایت سمجھدار اس لیے ہمیشہ ایک بات یاد رکھنا کہ کبھی بھی کوئی انتہائی قدم اٹھانے سے پہلے یا پھر کسی پر بھی بات کرنے سے پہلے ایک بار تصویر کا دوسرا پہلو ضرور جاننے کی کوشش کرنا۔ کبھی بھی زندگی میں آنکھیں بند کر کے، کانوں پر ہاتھ رکھ کر لوگوں کا کہنا نہ ماننا۔ ایک بار ہمیشہ صفائی کا موقع دینا اگر سامنے والا غلط ہو تو تب بھی اُس سے عزت سے پیش آ کر رخ تبدیل کر لینا۔ اللہ بھی اپنے بندوں کو موقع دیتا ہے میرے بیٹے پھر ہم انسان کیا شے ہیں۔" یہ بات اُس کی ماں نے بھرائی ہوئی آواز میں بولی تھی وہ چھوٹا تھا نہیں جانتا تھا کہ ماں کو کیا ہوا ہاں البتہ ایک بات اُس نے محسوس کر لی تھی اُس پورے دن اُس نے امی کو روزمرہ سے ہٹ کر خاموش اور دکھی پایا تھا پر اُس نے امی سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔

"عون۔" ایک بار پھر وہی شفیق آواز کانوں میں گونجی تو اُس نے اپنے تاثرات کو ہموار رکھتے منہ پھیر کر دیکھا امی پلو سے ہاتھ صاف کر رہی تھیں مگر سوالیہ نگاہیں اُسی پر مرکوز تھیں۔ اُس نے لفافے والا ہاتھ ایک جانب کیا۔

"جلدی آگے بیٹا آج؟ طبیعت ٹھیک ہے؟" کوئی جواب نہ پا کر وہ اُس کے قریب آئیں۔

"جی امی۔۔ وہ بس سر میں ہلکا سا درد تھا اس لیے کمرے میں جانے سے پہلے آپ کو چائے کا بولنے آیا تھا۔" ہونٹوں کو مسکراہٹ میں کھینچا تو انہوں نے سر ہلادیا اس سے پہلے وہ کچھ بولتیں گھر کی گھنٹی بجی۔

"تم کمرے میں جا کر چیخ کر و میں دیکھ کر آتی ہوں۔" وہ کہہ کر جلدی سے پلٹ گئیں۔

اُس کے بعد امی نے اطلاع دی اور نکل گئیں۔ اُسے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ وہ چائے کا زینہ کو بول کر جائیں گیں ورنہ وہ منع کر دیتا۔ وہ اتنا الجھا تھا کہ اُس کے دماغ سے چائے تو سرے سے نکل گئی۔ اُس نے پھٹتے سر سے لب بھیجے بہت تحمل سے اُنہیں دیکھا پھر یک دم غصے سے پلٹ کر پھینک دیں۔ وہ اور نہیں دیکھ سکتا تھا بس برداشت کا پیمانہ یہیں تک محدود تھا۔ وہ اُٹھ کر وشروم میں گھس گیا کپڑے تبدیل کیے اور خولتے ہوئے سر پر پانی مارا۔ اُسے دور دور تک اندیشہ نہیں تھا اُس کے پیچھے زینہ اُس کے کمرے میں نہ صرف آئی ہے بلکہ تصویریں بھی دیکھ چکی ہے۔ وشروم کا دروازہ کھول کر نکلا تو اُسے وہ سامنے کھڑی دیکھائی دی وہ اُس کے قریب بھی گیا اُس کے باوجود وہ سرے سے اُس کی موجودگی کو فراموش کیے بے یقینی اور پھٹی ہوئی آنکھوں سے اُنہیں کو دیکھ رہی تھی۔ اُسے بس ایک بات پتہ تھی زینہ کو اُس کے کمرے میں نہیں آنا چاہیے تھا۔ وہ اُس کے سر پر پہنچا اور غصے میں اُس سے کمرے میں آنے کی وجہ پوچھی مگر جن خوف و حراس اور وحشت زدہ آنکھوں سے اُس نے عون کی جانب دیکھا وہ ایک لمحے کے لیے تھا اُس کا چہرہ اور آنکھیں کھلی کتاب کی مانند تھیں۔ وہ خوف، اذیت، وحشت، ڈر، قرب سب کا عکاسی تھیں۔ مگر ابھی وہ جھنجھلاہٹ کا شکار تھا اُسے خود کا محاصرہ کرنے کے لیے مہلت درکار تھی۔ اس لیے اُس نے بازو پکڑا مگر اب کی بار اُس کی گرفت ہلکی تھی پھر اُس نے دروازے کے پار کیا اور اُس کو ڈانٹ کر دروازہ بند کر دیا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ زینہ نے کیا سوچا؟ اس کے بعد کیا ہوا؟ بس تھوڑی دیر بعد ہی وہ تصویریں الماری میں پھینکتا گھر سے باہر نکل گیا کیونکہ اُسے کھلی فضا کی اشد ضرورت تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ آخر وہ خود کیا چاہتا تھا؟ اُس کے دل و دماغ میں آخر کیا تضاد رائج ہو رہا تھا۔ زینہ نے جس دن اُس سے طلاق مانگی تھی اُس دن بھی بس وہ غصے میں آ گیا تھا وجہ وہ خود نہیں جانتا تھا، پھر اُس دن کے بعد سے امی نے زینہ کو گھر کے کاموں میں مگن کر لیا تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ زینہ اُس سے کتر رہی تھی۔ بھلے وہ اُسے نہیں دیکھتی تھی پر وہ کبھی کبھار اُسے کمرے میں جاتے دیکھ لیتا تھا۔ اُس کی گھر

میں موجودگی اُسے اچھی لگتی تھی۔ وہ اُسے وقت دینا چاہتا تھا جو وہ دے بھی رہا تھا۔ ان تین ہفتوں میں جب زندگی نارمل ہو گئی تھی تو اُس نے سوچا تھا کہ وہ اُس سے بات کر کے سب کچھ کلیئر کر لے گا۔ مگر اچانک سے ایک بار پھر ویسا ہی کچھ دھرایا گیا۔ وہ مرد تھا، بدگمانی اُس کے دل میں آئی تھی، غصہ بھی بہت آیا تھا مگر پھر اُس کی ماں کی سالوں پہلے کی گئی بات نے انتہائی قدم اٹھانے سے پہلے اُس کے پیروں میں بیڑی ڈال دی۔ شک و شبہات، بدظنی، خیال فاسق ایک جانب مگر وہ واقعی میں ایک بار اب اپنے آپ سے پوچھنا چاہتا تھا کیا واقعی وہ لڑکی اُس کے دل میں اُس کی زندگی میں کوئی حیثیت رکھتی، کوئی ایک مضبوط مقام؟ انسان کو کسی سے لاکھ اختلاف کیوں نہ ہوں مگر اگر وہ شخص اُس کے دل کا مقین ہوتا ہے تو کہیں نہ کہیں وہ ہمیشہ براگمان سوچنے سے پہلے ایک بار موقع ضرور دیتا ہے ورنہ جو دل سے اترے ہوں انسان اُسے مہلت دیے بنا ہی راہیں جُدا کر لیتا ہے۔ زینہ بتول تو پھر اُس کی بیوی تھی اُس کی شریکِ حیات، زندگی بھر کی ہم سفر۔ دل نے پسندگی کا اقرار کیا تو دماغ جنگ پر اُتر آیا اور اسی کشمکش کے درمیان وہ گھر لوٹا امی نے زینہ کی طبیعت کی خرابی کا بتایا تو لاکھ ٹوکنے کے باوجود قدم خود باخود اُس جانب اُٹھے۔ ایک لمحے کے لیے زینہ کی حالت دیکھ کر اُسے ترحم آیا۔ پھر وہ پلٹنے لگا تو زینہ نے اُسے پکارا، سب سے حیرت تب ہوئی جب اُس نے اُن کی نفی کی۔ عون اسحاق کے سامنے جس سے وہ کچھ دن قبل طلاق کا مطالبہ کر رہی تھی۔ یہ صفائی تو اُس دن زینہ نے اپنے باپ کو بھی نہ دی تھی جو وہ وہاں لیٹی بغیر اُس کے پوچھے اُسے دے رہی تھی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ زینہ کے دل و دماغ میں کیا چل رہا ہے بس اُسے وہ سیاہ ہرنی جیسی گہری غزالی آنکھیں دیکھائی دے رہی تھی جن میں ہر قسم کے جذبات کے ساتھ ذرا سی اُمید کی رمت تھی۔ تو کیا وہ اُسے آزما رہی تھی؟ پھر عون نے ایک درمیانے راستے کا چناؤ کرتے ایسا جواب دیا جس پر وہ خود ہی خاموش ہو گئی۔ امی کو بتانے سے منع کیا کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ تصویریں اُس کی ماں کی آنکھوں کے سامنے جائیں۔ اُن دونوں نے دیکھ لی تھیں کافی تھا۔ جو مرضی تھا زینہ اُس کی

ذات سے منسلک تھی۔ پھر دماغ کو ایک کنارے لگا کر دل اس نہج پر پہنچا کہ زنیہ بتول اُسے پسند تھی اور وہ اُس کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا خواہاں تھا۔ عون اسحاق بغیر اُس کی بات سننے کوئی فیصلہ نہیں لے سکتا تھا۔ اپنی انا کو ایک جانب رکھ کر اُس نے پوری دلی آمدگی سے زینہ کو ایک موقع فراہم کیا۔ وہ جاننا چاہتا تھا اور اُس کی جانب کی کہانی کا رخ آخر کیا تھا۔

☆☆☆

اُن کے درمیان جمی سردیوار گرانے میں پہل اس بار عون نے کی تھی۔ وہ نا صرف اُس سے اُس کی طبیعت دریافت کرتا تھا بلکہ ہلکی پھلکی بات بھی کر لیا کرتا۔ زینہ اب بھی جھجکتی تھی پر عون نارمل لہجے میں اُس سے پیش آنے لگا۔ وہ زینہ کی سوچ نہیں جانتا تھا پر اپنے بارے میں جان گیا تھا اور بات کرنے کا اصل مقصد بھی یہ تھا کہ وہ لاشعوری طور پر زینہ کو آنے والے وقت کے لیے تیار کر رہا تھا جب وہ اُس کے روبرو بیٹھ کر ساری بات تفصیل سے اُسے بتائے گی۔ اگر ایک دم وہ اُس سے سب کچھ پوچھتا تو وہ ہچکچا کر گھبراہٹ کا شکار ہوتی جو وہ ہرگز نہیں چاہتا۔ اُس بات کو گزرے تقریباً ایک ہفتہ ہو گیا تھا اور عون کو اُس کی طبیعت بھی بھلی معلوم ہو رہی تھی اس لیے رات کے کھانے کے بعد امی کے کمرے کے سامنے کھڑے دستک دی۔ زینہ نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھی جب دستک ہوئی۔ اُس نے پلٹ کر نماز رکھا۔

"آجاؤ عون۔" عون کی امی پکاریں تو اُس نے دروازہ کھول کر پہلے بستر پر بیٹھے امی کو دیکھا پھر صوفے کے نزدیک کھڑی زینہ کو جس کی نگاہیں اُسی پر مرکوز تھیں۔

"امی مجھے زینہ سے بات کرنی ہے۔" امی نے کتاب بن کر کے منہ اٹھایا پھر باری باری دونوں کو دیکھا پھر مسکرا کر سر اثبات میں ہلایا تو عون مسکرا دیا پھر اُس نے زینہ کی جانب دیکھا۔

"زینہ دوگ چائے بنا کر بالکونی میں آجاؤ۔" زینہ نے صرف سر کو ہلکا سا ہلایا تو وہ پلٹ کر نکل گیا۔

"جاؤ چلی جاؤ زینہ نیچے۔" اُسے وہی کھڑا دیکھ کر وہ نرمی سے پچکاریں تو زینہ سر ہلکا کر باہر نکل گئی۔"

ٹھیک بیس منٹ بعد عون ریلنگ پر ہاتھ دھرے کھڑا تھا، چہرہ کا رخ آسمان کی جانب تھا جبکہ پُرسوج نگاہوں نے چاند کا احاطہ کر رکھا تھا۔ سر سراتی مدھم ہوا کی بدولت پیشانی پر آئے بال ہل رہے تھے۔ چوکھٹ پر آہٹ ہوئی تو وہ یک دم پلٹا۔ پھر قدم اٹھاتا زینہ کے قریب آیا اور پھر ڈش اُسے کے ہاتھوں سے تھام لی۔ زینہ نے خمدار پلکیں اٹھا کر دیکھا تو بادامی آنکھوں میں نرم سا تاثر واضح تھا جب چہرے پر دوستانہ مسکان رقصاں تھی۔

"آکر بیٹھ جاؤ۔" عون نے کرسی کی جانب اشارہ کیا تو آہستگی سے قدم اٹھاتی آکر بیٹھ گئی جب تک عون بھی درمیان میں پڑے ٹیبل پر ڈش دھر چکا تھا۔ اپنا کپ اٹھاتے عون نے بغور سامنے بیٹھی لڑکی کو دیکھا رنگت میں گھلی زردی کافی حد تک مغدوم ہو گئی تھی، عنابی ہونٹ، چھوٹی سی ناک اور سب سے حسین وہ سحر میں جکڑنے والی سیاہ آنکھیں جن پر خمدار لمبی اور گھنی پلکیں جھالر کی مانند موجود تھیں۔ وہ پُرکشش تھی، خوبصورتی کا مجسمہ دل نے آج تسلیم کیا۔ عون نے چائے کی ایک چسکی لی۔

"زینہ میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے آج تھل کے ساتھ سب کچھ بتادو۔ میں درمیان میں بالکل نہیں ٹوکوں گا کیونکہ آج میں خاموش رہ کر صرف تمہاری جانب کی کہانی پوری سنا چاہتا ہوں۔" اُس کی بات پر زینہ نے جھک کر سر اٹھایا اور اُن بادامی آنکھوں کو خود پر مرکوز پایا۔ اُس کی آنکھیں اور الفاظ دونوں ایک دوسرے کا ساتھ دے رہے تھے۔ وہ اُس کی سن رہا تھا رہا تھا اول سے بغیر الذم سر زد کیے، بغیر اُن تصویروں کا ذکر چھیڑے، حیرت و انبساط میں ڈالے وہ اُس کے سامنے سرپائے سوال بننے کے بجائے سہل مزاجی سے اُس کی سنے کو تیار تھا۔ زینہ نے گہری سانس بھری پھر اُس کو دیکھا۔ ہاں اُن دونوں نے ایک دوسرے کو موقع دیا۔



"نخوست خرافہ کی اولاد اٹھ جاکب تک مری رہے گی؟" آٹھ سالہ معصوم بچی کے کانوں میں اپنی چاچی کی آواز پڑی تو ایک دم بوکھلا کر اٹھی۔ سیاہ آنکھیں وحشت سے پھیل گئیں۔

"چاچی امی کہاں ہے؟" سب سے پہلے اُس نے معصومیت سے وہ سوال کیا تو چاچی غضب ناک تیور لیے اُس کے سر پر کھڑی ہوئیں اور اُس کا بازو دبوچ کر بیڈ سے نیچے اتارا۔

"بھاگ گئی تیری ماں اپنے یار کے ساتھ۔" چہرے پر طنزیہ ہنسی سجائے غرائی تو وہ سہم گئی اور آنکھوں میں آنسو اُٹھ آئے۔ اُسے کیا علم تھا کہ سامنے کھڑی عورت کیا بات کر رہی تھی وہ تو اُس کے تاثرات دیکھ کر ہی گھبرا گئی تھی۔

"دفع ہو جا کر ناشتہ کر۔"

وہ غصہ سے پھنکاری اور اُس کا ہاتھ جھٹکے سے چھوڑ کر باہر نکل گئی۔ وہ تو ماں کی پیار بھری آواز سے اُٹھنے کی عادی تھی تو پھر آج اُس کی ماں کیوں نہیں آئی اُس نے حیرت سے کھلے دروازے کو دیکھا اور پھر اگلے ہی لمحے کمرے سے نکل کر امی ابو کے مشترکہ کمرے کی جانب دوڑ لگائی۔ پر جیسے ہی وہ کمرے کی چوکھٹ تک پہنچی تو اُس نے گھر کے تمام بڑوں کو اُن کے کمرے سے نکلتے دیکھا۔ کسی نے ترحم سے اُسے دیکھا تو کئی کی نظروں میں اُس کے لیے قہر موجود تھا۔ پر وہ سب سے بے تعلق اپنے باپ کے پاس بھاگ کر گئی جو بستر پر منہ جکھائے بیٹھے تھے۔

"بابا۔" اُس نے انہیں پکارا تو انہوں نے نظر اٹھا کر اُسے دیکھا۔

"بابا امی؟" سوالیہ نگاہیں اُن پر مرکوز کیے پھر وہی سوال دہرایا تو وہ چہرے پر سرد تاثرات سجائے خاموشی سے دو منٹ اُسے تکتے رہے۔

"چلی گئی ہے تمہاری ماں یہاں سے۔" بو جھل آواز میں بول کر نظریں پھیر لیں پر اُس کے سر پر بوم پھٹا۔

"بابا، امی نہیں۔" اب کی بار اُس کی آنکھوں سے آنسوؤں نکلنے لگے ابھی رات کو اُس کی ماں نے اُسے محبت سے سلایا تھا اور صبح اُس کے ساتھ کھیلنا کا وعدہ کیا تھا پھر اب وہ کیسے جاسکتی تھیں۔

"زینہ چلی جاؤ یہاں سے۔" ایک دم سے اُس کی حالت کو نظر انداز کرتے وہ چلائے تو زینہ نے حراسہ نگاہوں سے اُنہیں دیکھا اور پھر کمرے سے نکل کر بھاگ گئی۔ پھر کتنے گھنٹے وہ خالی پیٹ، اوندھے منہ پڑی سسکتی رہی مگر کوئی اُس کے کمرے میں نہیں آیا۔ خاندان والے تو شروع سے ہی اُن سے بغض رکھتے تھے۔ وہ چھوٹی ضرور تھی پر اُس نے کئی بار اپنی ماں کو طنزیہ فقرے اور اُلٹے القابات سنتے سنا تھا پر سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ بس جب بھی ماں کی غم ہوئی آنکھیں دیکھتی تو اُن سے پوچھتی ضرور تھی کہ وہ کیا کہہ رہی تھیں جس پر ہر بار ماں اُس کا دماغ بھٹکا کر بولتی زینہ میری جان تم ابھی بہت چھوٹی ہو چھوڑ دو ان سب باتوں کو۔ پر اب تو فقط صرف ایک رات میں اُس کی ماں ہی منظر عام سے غائب ہو گئی۔ بابا تو ہمیشہ سے اُسے بہت کم پیار یا بات کیا کرتے تھے۔ اُس آٹھ سال کی بچی کی ساتھ تو محض صرف اُس کی ماں تھی۔ اُس کا باپ خاندان میں سب سے بڑا تھا اُس کے بعد دو بھائی تھے جو دونوں شادی شدہ تھے۔ بڑے چاچا کمال مصطفیٰ جن کا ایک بیٹا تھا مجیب کمال جو زینہ کا ہم عمر تھا اور دو بیٹیاں تھیں۔ جبکہ چھوٹے چاچا کے دو بیٹے اور دو ہی بیٹیاں تھیں۔ زینہ اپنے ماں باپ کی اکلوتی تھی۔ اُس دن کے بعد سے زینہ اپنے کمرے تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ اکثر وہ گھنٹوں گھنٹوں کھڑکی کے سامنے بیٹھے امی کے انتظار میں گزار دیتی تھی۔ گھر میں ایک ملازمہ تھیں جو اُس کے کھانے کا خیال رکھتی اور اُسے پیار کرتی تھی کیونکہ وہ اُس کی ماں کے بے حد قریب تھی۔ وہ سب سے بچ بچا کر جب بھی وقت ملتا تو زینہ سے آکر باتیں کرتی اور اُس کا دل بہلاتی تھیں۔ زینہ اسکول جانے کے لیے کمرے سے نکلتی تھی مگر اُس پورے ایام میں اُس کے سارے کزن اُسے محض ایک نام سے پکار کر تنگ کرتے

بھگوڑی کی بیٹی مگر زینہ خاموش رہتی ایک لفظ نہ بولتی۔ اسی طرح زندگی دو سال آگے گزر گئی زینہ بڑی ہونے لگی عقل و شعور میں اضافہ ہوا تو ایک دن اُسی ملازمہ نے اُسے بتایا کہ گھر میں اُس کے باپ کی دوسری شادی کی بات چل رہی تھی اور یہ خبر سن کر وہ کافی دنوں تک بستر پر بے سود پڑی رہی پر اُس کی ذات سے کون سا کسی کو غرض تھا۔ ایک ہفتے بعد اُس نے ایک عورت کو دلہن کی طرح سب سے سنورے اپنے باپ کے پہلو میں بیٹھے دیکھا تو آنکھوں سے آنسو نکلتے رہے جسے وہ خاموشی سے منہ چھپائے اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے صاف کرتی رہی۔ اُس کی سوتیلی ماں بھی سب کی طرح اُس سے بیگانہ رہتی تھی۔ جب جس کا دل کرتا اپنے بچوں کی اترن اُس کے قدموں میں پھینک کر چلا جاتا۔ جب اُس کے باپ کو اتنے سالوں اُس سے فرق نہیں پڑا تو وہ کون ہوتی تھی احتجاج کرنے والی۔ اُس نے ہر معاملے میں چپ سادھ لی تھی۔ پھر جب وہ دسویں جماعت کے امتحانات سے فارغ ہوئی تو ایک رات اُس کے ابو کمرے کی چوکھٹ پر آئے۔ اتنے عرصے بعد زینہ دل سے مسکرائی تھی۔ پر جو بات انہوں نے آگے کی اُس کی آنکھوں کی چمک، دل کے احساسات اور چہرے پر بسی مسکان چھین لی۔ انہوں نے بولا کہ اب وہ گھر سے باہر نہیں نکلے گی جو بھی کرنا ہے پر اٹوٹ امتحانات دے کے کرے گی۔ انہوں نے اپنا حکم صادر کیا اور کمرے سے نکل گئے۔ پیچھے وہ رہ گئی اور سستی سے گامزن اُس کی دھڑکنیں۔ انہوں نے اُس سے پڑھائی کا حق بھی چھین لیا اُسے گھر کی چار دیواری تک محدود کر دیا۔ اُس وقت اُس کی عمر سو لاکھ سال تھی۔ اُس رات وہ بہت روئی تھی پر اپنے حق میں ایک بار پھر آواز نہ اٹھائی۔ وقت گزرا سب کزن بڑے ہو گئے اور اُسے زچ کرنے کے طرح طرح کے بہانے ڈھونڈنے لگے مگر اُس نے بھی اُف تک نہ کی۔ گھر کی ساری لڑکیاں بازار، اسکول، کالج یہاں تک کے یونیورسٹی جاتی تھیں مگر وہ ایک واحد پرندہ تھی جس کے پڑکاٹ کر زندان میں بن کر دیا گیا تھا۔ ایک دن بل آخر اُس نے تنگ آکر اُس ملازمہ سے وہی سوال دہرایا جو وہ سالوں سے کر رہی تھیں اور وہ سالوں سے ٹال رہی تھیں۔

"خالدہ بوا آپ مجھے بتاتی کیوں نہیں ہیں میری امی نے کیا کیا تھا جو یہ سب ایسا بھرتاؤ کرتے ہیں؟ آج میں صرف سچ سننا چاہتی ہوں۔" شاید برا وقت چل رہا تھا جبھی اُس کی بڑی چاچی چوکھٹ پر کھڑی اُس کی بات سن چکی تھیں۔ اُس سے پہلے بوا کچھ بولتیں انھوں نے سختی سے اُن کا نام لیا۔ اُس کے بعد گھر میں شور و غل واویلا، تہلکہ مچ گیا مچانے والی از خود وہی اُس کی بڑی چاچی تھیں۔ بڑوں کی بیٹھک لگی سب نے کمرے میں بلا کر اُسے صلاواتیں سنائیں وہ سب کچھ منہ جھکائے سنتی رہی اور اُس کا باپ اُن کے درمیان اُس کا تماشہ بننا دیکھتا رہا۔ سب سے دکھ اور تکلیف اُسے تب ہوئی جب بوا کو گھر سے نکال دیا گیا اُس نے اگر بابا سے بات کرنی چاہی تو انہوں نے ڈانٹ کر بھیج دیا۔

"اٹھو بی اٹھ کر جا کے کھانا بناؤ۔ ہر وقت بیٹھ کر مفت روٹیاں توڑتی رہتی ہے بے غیرت۔" اگلے ہی روز چھوٹی چاچی اُس کے سر پر ایک نیا حکم لے کر کھڑی تھیں۔ پھر اُس دن کے بعد سے اُسے کیچن کے کاموں میں الجھا دیا گیا۔ جب وہاں سے فارغ ہوتی تو کتابوں میں لگ جاتی۔ زندگی ایسے ہی چلتی رہی مگر اصلی مسئلہ تب شروع ہوا جب مجیب کمال اُس کے معاملات میں گھسنے لگا۔ وہ بہانے بنا کر کیچن میں گھس آتا، راستہ روک کر ہاتھ پکڑنے کی کوشش کرتا اور وہ چاہ کر بھی کسی کو بتانے سے قاصر تھی۔ ایک دن وہ چھت پر کپڑے پھیلانے گئی تھی کہ اچانک پیچھے سے وہ آفت رونما ہوا۔ زینہ کپڑے ڈال کر پلٹی تو اُس کی آنکھیں وحشت سے پھیل گئیں۔

"حسن تو بہت بڑھ رہا ہے۔" خباثت بھری مسکراہٹ سجائے، سر سے پیروں تک غلیظ نگاہوں سے دیکھتے وہ اُس کے قریب آیا تو زینہ نے سر پر لیا ڈوپٹہ درست کیا اور خود دو قدم پیچھے ہوئی۔ مگر وہ تو جیسے اُسے ستانے کا پلان بھرپور بنا کر آیا تھا۔

"مجیب بھائی ہٹیں مجھے جانا ہے۔" جب وہ بغیر توقف کے اُس کے نزدیک آیا تو وہ ایک دم غرائی مگر وہ محظوظ ہوتا مسکرایا۔

"میں تمہیں بھائی لگتا ہوں حسین چڑیا تمہارے برابر کا ہی ہوں۔" وہ اُس کی بات کو نظر انداز کرتے اپنی دھن میں بولا تو زینہ ایک دم بھونچکا کر اُس کے دوسرے جانب سے نیچے بھاگ گئی۔ اسی طرح وہ ہمیشہ موقع ملنے پر اُسے تنگ کرتا تھا۔ کبھی ہاتھ پکڑنے کی اور کبھی چہرہ چھونے کی کوشش کرتا۔ بابا کو کتنی بار بتانے کی کوشش کی پر ہر بار اُن کے تاثرات دیکھتے کے ساتھ ہی چپ سادھ لیتی۔ وہ صرف اُس کو سرے سے انکور کرتے تھے مگر سوتیلی ماں کے بھی تین بچے تھے سب سے بڑی بیٹی اور پھر دو بیٹے اُن سب کے ساتھ اُن کا برتاؤ بہت اچھا تھا۔ اُس کے دل میں کسک اُٹھتی تھی پر ہر بار وہ خود کو خود ہی دلا سادے کر تھپک دیتی کہ کوئی بات نہیں زینہ وہ تمہارا بھی تو خیال کرتے ہیں۔ جب کے ایسا کچھ نہیں تھا۔ البتہ گھر کی دودیا راری میں بھی مجیب نے اُس کا جینا محال کر کے رکھ دیا تھا۔ ایک دن اُسے علم ہوا کہ مجیب اور اُس کی سوتیلی بہن شفا کا رشتہ طے ہو گیا ہے جس پر اُس نے سکھ کا سانس لیا کیونکہ اُسے لگا تھا کہ اب مجیب اُس کی جان چھوڑ دے گا مگر پھر اگلے ہی دن اُس نے اُس کا سارا سکون تھیں نہیں کر دیا۔

"مجیب بھائی آپ شفا کہ ہونے والے شوہر ہیں شرم کر لیں تھوڑی۔" جب ایک بار پھر وہ باز نہ آیا تو وہ تلملا کر بولی۔

"تو کیا ہوا لگی تو تم میری سالی ہی اور سالی تو آدھی گھر والی ہوتی ہے۔" اُس نے آنکھ کا کنارہ دبایا اور اُس کی خُبث باطن دیکھ کر زینہ شش و پنج میں گھیر گئی۔ مطلب اتنی گری ہوئی سوچ کا حامل انسان تھا۔ اس طرح دن بدن اُس کے دماغ میں مرد ذات کو لے کر ایک غلط خاکہ پختا ہوتا گیا۔ مجیب صرف اکیلا اُن سب چیزوں میں ملوث نہیں تھا بلکہ زینہ سے کئی سال چھوٹے، اُسکے چھوٹے چاچا کے بیٹے بھی اُس کے ساتھ ملے تھے۔ زینہ کی ماں نے اُس کے نام پر اُس کے باپ سے کہہ کر زمین کا ایک ٹکڑا کروایا تھا کیونکہ اُس وقت اُن دنوں کے مبین تعلقات بہت اچھے تھے اس لیے اُس بابا باخوشی راضی ہو گئے اور مسئلہ اصل میں رائج وہی سے ہوا تھا جب وہ بارہ سال کی تھی تو بوانے اُسے یہ واحد بات بتائی تھی۔ ایک شام بڑی چاچی نے کینہ تو زنگا ہوں سے دیکھ کر اُسی کی جانب چوٹ کی تو وہ سمجھ کر فقط

ایک نگاہ اُن پر ڈال کر چلی گئی۔ اکیس سال کی عمر میں ابو ایک دن کمرے میں آئے تو اُسے انوہی کا احساس ہوا کیونکہ آخری بار جب وہ آئے تھے تو اُنھوں نے آزادی کے پروانے چھین لیے تھے اور اب کی بار انہوں نے پھر اپنی مرضی سر پر مسلط کی۔

"تمہارا رشتہ طے کر دیا ہے اگلے مہینے نکاح ہے۔" حکم صادر کیا اور کمرے سے نکل گئے۔ نہ حال دریافت کیا، نہ محبت و شفقت سے سر پر ہاتھ پھیرا بس آئے روکھے سوکھے انداز میں اپنی بات کی اور چلے گئے۔ اُس کے بعد پھر گھر پر عون اور اُس کی امی کی دعوت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ وہ جب بھی صرف خاموشی سے کھانے کی تیاری کرتی اور نکل جاتی۔ عون کی امی نکاح سے پہلے ضرور اُس کے کمرے میں آکر اُس سے ملیں تھیں پر عون کو اُس نے پہلی بار نکاح کے وقت ہی دیکھا تھا۔ مگر اس بار نہ تو اُس نے کسی قسم کے جذبات اُس سے منسلک کیے تھے اور نہ اُس سے کوئی اُمید وابستہ کی تھی۔ اُس کو اپنا وجود بالکل کھوکھلا لگ رہا تھا جس میں محض ایک دل دھڑک رہا تھا پر وہ دل بھی گھٹی ہوئی سانسیں اُسے مہیا کرتا تھا۔ نکاح کے بعد بھی مجیب اپنی خباثت بھری حرکات سے باز نہیں آیا بلکہ اور ڈٹ کر اُس کے قریب سے قریب تر آنے کی کوشش کرتا رہا اور ہر بار خود کو بچاتی بھاگتی رہی۔ عون بھی نکاح کے بعد جتنی بار آیا اُس نے رسماً حال احوال دریافت کیا تو وہ بھی وہی کرتی رہی۔ اپنی آٹھ سال کی عمر تک وہ ایک چہکتی مسکراتی، بے فکری سے مذاق کرتی ایک بچی تھی پر اُس کے بعد وہ ایک مرجھائے ہوئے پھول کی طرح ہو گئی تھی جسے نہ تو زندگی سے سروکار تھا اور نہ ہی وہاں بسے لوگوں سے۔ اس لیے وقت کے ساتھ وہ کم گو ہو گئی تھی۔ پھر وہ دن آیا سحرش مجیب کی ہی چھوٹی بہن تھی۔ اُس کی رخصتی کے بعد جب وہ کمرے میں آئی اور ڈوپٹہ اتار کر بستر پر رکھا تو یک دم لائٹ چلی گئی۔ زینہ نے پڑ مردگی سے آنکھیں بند کر کے کھولیں اور ایک سرد آہ بھری۔ پھر واپس اپنا ڈوپٹہ اٹھایا اور بالکنی کے دروازے کو دیکھا جہاں سے چاندی کی چاندی اُس کے کمرے میں بکھر رہی

تھی۔ جیسے ہی وہ دروازے کی جانب بڑھی تو اچانک وہ کھلا اور کوئی اندر داخل ہوا اس سے پہلے زینہ چیختی اُس کے منہ پر کسی نے ہاتھ رکھ دیا۔ زینہ بدق کر پیچھے کی جانب لپکی تو اُس کے بال کھینچے۔

"چھوڑو کون ہے؟" وہ ایک دم چلا کر گھومی تو اُسے مجیب کے چہرہ دیکھا وہ دو قدم مزید پیچھے بھاگی۔ وہ جانتی تھی کہ اس وقت وہ کیوں آیا تھا کیونکہ رات کا پہر ہونے کی بدولت آدھی عوام سوچکی تھی جبکہ کچھ بڑے نیچے والے فلور پر اکٹھے تھے۔ منجھلی منزل پر اُس کا گھر کی دوسری لڑکیوں کا کمر تھا اور اس وقت واحد وہ تھی جو کمرے میں تھی باقی سارے سحرش کے ساتھ اُس کے گھر اُسے چھوڑنے گئیں تھیں۔

"ڈیئر کزن۔" وہی خباثت بھر انداز لیے وہ اپنے ناپاک ارادوں کو پورے کرنے کی غرض سے آیا تھا۔ زینہ کا دل زور سے دھڑکنے لگا جب کہ جسم پر کیڑے رینگتے محسوس ہوئے یک دم اُس کا دم گھٹنے لگا۔ تب تک مجیب اپنے بازو اُس کی کمر کے گرد حائل کر چکا تھا زینہ نے مزاحمت کے طور پر بھرپور انداز میں اُسے خود سے دور گھسیٹا تو مجیب نے اُس کا بازو کھینچ کر بستر پر پھینک دیا۔ اسی بچ بچاؤ کے درمیان اُس کا ڈوپٹہ بھی زمین پر گر چکا تھا۔ جیسے ہی وہ اُس کے قریب ہونے لگا تو زینہ حلق کے بل چلا کر اُس کا منہ پرے دھکیلا مگر یک دم کمرے کی چوکھٹ پر آہٹ ہوئی تو مجیب فوراً سے دور ہٹا اور جا کر دروازے کی اوٹ میں چھپ گیا مگر پھر اچانک دروازہ کھلا اور کمرے میں موبائل کی روشنی پڑی۔

"زینہ۔" وہ آواز تو زینہ لاکھوں میں پہچان سکتی تھی وہ عون تھا۔ پھر جیسے ہی وہ تشویش میں لائٹ مار تا کمرے میں داخل ہوا تو زینہ یک دم اُٹھی اور جا کر اُس کے سینے سے چپک کر سسکنے لگی، اُس کا لرزتا وجود اور دبی دبی سسکیوں کی آواز پر عون نے اپنا ایک بازو اُس کے گرد لپیٹا۔

"زینہ کیا ہوا ہے کچھ بتاؤ تو صحیح کیوں چیخ رہی تھی اور اب رو کیوں رہی ہو؟" وہ ورطہ حیرت وہاں کھڑے مسلسل اُس سے ایک ہی سوال پوچھ رہا تھا جبکہ زینہ اُس سے چپکی مسلسل زور و قطار آنسو بہا رہی تھی۔ پھر ایک دم بہت سے قدموں کی آوازیں اُٹھیں اور چوکھٹ پر کھڑے لوگ ایک دوسرے کے کانوں میں سرگوشیاں کرنے لگے۔ اور اُس سے بھی بڑھ کر ٹھیک اُسی وقت لائٹ بھی واپس آگئی۔ سب سے پہلے اندر داخل ہونے والے زینہ کے والد ہی تھے۔ انہوں نے زینہ کو عون سے علیحدہ کیا اور بازو سے دبوج کر سختی سے زمین پر پھینک دیا۔ جبکہ عون اب بھی حیرت میں مبتلا کبھی زینہ کو دیکھتا اور کبھی اُن سب کو۔ جب تک عون کی والدہ بھی کمرے میں داخل ہو چکی تھیں۔

"دیکھ رہے ہیں بھائی صاحب ابھی رخصتی ہوئی نہیں ہے اور اس فراخہ کی بیٹی کے چلن دیکھیں کیسے اُس کے ساتھ چپکی کھڑی تھی۔" بڑی چاپچی کی کچرہ صاف کرتی زبان پر عون نے پہلے اُنہیں دیکھا اور پھر اپنی ماں کو جنہوں نے آنکھوں کے اشارے سے محض خاموش رہنے کا کہا اس لیے وہ سختی سے لب ایک دوسرے سے پیوست کیے منہ جھکا گیا۔

☆☆☆

---بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ---

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَحِبَاب----

---"ناولز کی دنیا" کے ناولز میں خوش آمدید----

ناولز کی دنیا (NKD) کی جانب سے ناولز کو بغیر کسی غلطی کے آپ تک پہنچانے کی کوشش کی گئی۔ اگر کوئی غلطی اس میں ملتی ہے تو اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔ کیونکہ ناول کو پورا پروف یڈ کر کے ہی پبلش کیا جاتا ہے چوک ہونا محض اتفاق ہوگا۔

نئے اور مختلف لکھنے والوں کے لیے "ناولز کی دنیا" ویب سائٹ / گروپ / پیج / یوٹیوب چینل دے رہا ہے تمام لکھاریوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم جہاں آپ اپنی خداداد صلاحیتوں کو اپنے قلم سے تحریر کر کے اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کر سکتے ہیں --- اگر آپ کو بھی اللہ کی طرف سے یہ صلاحیت دی گئی ہے تو اسے اجاگر ضرور کریں --- ہمیں آپ جیسے ہی لکھاریوں کی تلاش اور ضرورت ہے ---

اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں -- اپنی تحریر اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ جتنا جلدی ہو سکا آپ کی تحریر پوسٹ ہو جائے گی ---

مزید تفصیلات یا کسی بھی طرح کی مدد کے لیے ہم سے گروپ یا پیج انباکس میں رابطہ کریں یا ای میل پر ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔۔

Email address :- Novelskiduniya77@gmail.com

Facebook page :- [Novels ki duniya](#)

(user name [@zoyatalib77](#))

Facebook group :- [Novels ki duniya](#)

Instagram Page :- [Nkd \(ZT\)](#) (UserName: [Novelskiduniya77](#))

Youtube Channel: Novels Ki Dunya (NKD) Official

(پر خیال رہے کہ یہ گروپ زویا طالب کا ہی ہو) اور باقی کے رابطے کے لیے ہر پیج کے نیچے Blue الفاظ میں لکھے لفظ میں آپکو لنکس مل جائے گے شکریہ۔۔۔۔۔

"آگے آپ سب کچھ خود جانتے ہیں۔ مجھے نہیں علم میری ماں کہاں ہے؟ اُن کے ساتھ کیا ہوا؟ کہاں گئیں۔" شرمساری سے سر جھکائے وہ رات کے پہر عون کو خود پر بیتی ساری کہانی سنارہی تھی اور وہ سن رہا تھا۔ ایک چائے کا مگ خالی تھا جب کہ دوسرے میں پڑی چائے باسی ہو چکی تھی۔

"بابا نے آپ کے ساتھ رشتہ بھی اس لیے جوڑا تھا کیونکہ اُن کے حلقے احباب میں سے کوئی مجھے اپنانے کو تیار نہیں تھا۔ اُنھوں نے آپ کے ساتھ دھوکا سے میرے رشتہ جوڑا بغیر ایک بھی بات بتائے۔" وہ روکی تاکہ عون کو اگر کچھ بولنا ہے تو بول لے مگر جب وہ کچھ نہ بولا تو زینہ نے نگاہیں زمین سے اُٹھا کر اُسے دیکھا۔ اب کی بار پہلے کے برعکس اُس کے چہرے پر سختی در آئی تھی۔

"تم نے اُس دن مجیب کے بارے میں کیوں نہیں بولا زینہ؟" دو منٹ نم سیاہ آنکھیں دیکھنے کے بعد اُس نے سب سے پہلا سوال یہی کیا۔

"کیونکہ میری بات پر کوئی یقین نہیں کرتا۔ میں اگر اُس کا نام لے بھی لیتی تب بھی سب مزیدالٹے سیدھے الزمات عائد کرتے۔" سرگوشی کرتے بے بسی سے لب کچلے۔ عون نے گہرا سانس اندر کھینچا اور مٹھی لبوں پر دھرتے اُسے دیکھا۔

"وہ تصویریں مجیب کے ساتھ میری ہی تھیں مگر دوسری والی میری نہیں تھیں۔ میں اُس سے جتنا دور ہوتی تھی وہ اتنا مزید قریب آتا تھا۔" یہ وہ واحد بات تھی جس کو کرتے زینہ کو اپنا آپ پستی پر کھڑے محسوس ہو رہا تھا۔ مگر وہ بتانا چاہتی تھی۔ یہ جملے بولتے اُس کی خود کی ذات کتنی منعض ہوئی تھی وہ وہی جانتی تھی۔

"چلو اب جاؤ زینہ بہت دیر ہو گئی ہے۔" اُس کی بات کے جواب میں محض وہ صرف یہی بول سکا۔ جس طرح کی وہ تصویریں تھیں اُنہیں سوچتے ساتھ ہی اُس کے طیش میں اُبال آنے لگتا تھا۔ اُس کی بات پر زینہ نے دل آزرگی سے اُسے دیکھا اور بس سر ہلا کر کھڑی ہو گئی۔ وہ خود بھی اُس کے سامنے سے ہٹ جانا چاہتی تھی۔

پھر وہ جھک کر ٹرے اور مگ اٹھانے لگی تو عون نے سر نفی میں ہلایا۔

"جاؤ زینہ جا کر آرام کرو میں خود ہی رکھ دوں گا۔" نظریں اُس کے چہرے پر جمائے نرمی سے بولا تو وہ سر ہلاتی پلٹ گئی۔ عون اُٹھ کر ریلنگ کے پاس آکر واپس کھڑا ہو گیا۔ آج اُسے اپنے سوال کا جواب مل گیا تھا۔ وہ لوگ اچانک رونما نہیں ہوئے تھے بلکہ سوچی سمجھی چال کے طریقے اُن دونوں ماں بیٹے کو پھنسا یا گیا تھا۔ اُن کو اصل میں استعمال کیا گیا تھا۔ اُسے یاد تھا کہ اُس روز وہ فون کال کرنے کے لیے اجازت طلب کرتا چھت پر جا رہا تھا جب زینہ کی

چلانے کے آوازیں آئیں تھیں اور وہ متذبذب کا شکار ہوتے اُس جانب بڑھاتا تھا۔ پر جب وہ اندر داخل ہوا تو جو منظر اُسے دیکھنے کو ملا وہ اُس کے گمان میں بھی نہیں تھا۔ وہ زینہ جو آج تک اُس سے جھجکتی آئی تھی یک دم اُس کے ساتھ آکر چپک گئی تو اُس کی پیشانی ٹھکی۔ اُس نے اپنا بازو صرف سہارا دینے کے غرض سے اُس کے ساتھ لپیٹا تھا۔ اُس دوران مجیب وہی تھا مطلب آگے کی کروائی میں اُس کا ہاتھ تھا۔ عون نے اپنی پیشانی مسلی اور ابلتے غصے کو قابو پایا۔ سب سے زیادہ طیش اُسے زینہ کے باپ پر آیا یعنی وہ شخص اتنا کانوں کا کچا تھا کہ جو رخ سب نے بنا کر اُس کے سامنے پیش کیا اُس نے آنکھیں بند کرتے یقین کر لیا۔ مجیب ویسے ہی اُسے اول روز سے کھٹکتا تھا اُس کی معنی خیز نگاہوں کا مطلب آج پتا لگا تھا۔ جو وہ اُس دن وہاں نہ ہوتا تو پھر؟ یہ وہ آخری سوال تھا جو اُس کے دماغ میں اُٹھا۔

☆☆☆

پولیس اسٹیشن کے ایک کمرے میں عون ایک پولیس اہلکار کے ساتھ کھڑا تھا۔ درمیان میں پڑا ٹیبل اور اُس کے ادگر درکھی کرسیاں ابھی خالی تھیں۔ عون نے اپنے ساتھ کھڑے پولیس اہلکار کو دیکھا جو درحقیقت اُسی کا ایک دوست تھا۔

"عون تمہیں اُس کے خلاف اف آئی آر درج کروانی چاہیے تھی۔" اُس نے ایک گھنٹے پہلے کی گئی بات پھر دہرائی تو عون نے سر نفی میں ہلایا۔

"نہیں دستگیر ایسے مسائل مزید الجھ جائیں گیں۔ میں بس اُسے دھمکانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ ویسے بھی میں نہیں چاہتا کہ میری بیوی عدالتوں میں خوار ہوتی پھرے۔" اب کی بار اُس نے کھل کر وضاحت دی۔ پچھلے دو دن سے سوچ بچار کرنے کے بعد عون کو سب سے بہترین حل یہی ملا تھا۔ اس لیے اُس نے اپنے دوست کو اپروچ کیا اور بات کا ایک مخصوص پہلو اُس کے سامنے بیان کیا جس پر وہ باخوشی راضی ہو گیا۔ اب وہ بس وہاں کھڑا مجیب کے انتظار

میں تھا۔ اُس نے گھر پر کسی سے کوئی بات نہیں کی تھی ہر کام وہ خفیہ رکھا رہا تھا۔ آہٹ پر اُن دونوں نے چہرے کا رخ موڑ کر دیکھا۔ دو اہلکاروں نے مجیب کو دونوں بازوؤں سے جکڑ رکھا تھا جبکہ اُس کے ہاتھوں میں ہتکھڑی لگی تھی۔ مجیب کی خون آشام نگاہیں عون پر مرکوز تھیں اُس کے برعکس عون کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ نے احاطہ کر رکھا تھا اور آنکھوں میں جیت کی خوشی ہلکورے لے رہی تھی۔ اہلکاروں نے اُسے کرسی پر بیٹھایا تو اتر اہٹ سے بازو جھٹکے۔ دستگیر نے گھور کر اُس رعوت بھرے شخص کو دیکھا اور پھر اہلکاروں کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کر کے باہر نکل گیا۔

"کیسے ہیں مجیب کمال صاحب؟" عون کی طنز بھری آواز سب سے پہلے گونجی پھر وہ اُس کے عین سامنے ٹیبل کے دوسری جانب پر سکون انداز میں کرسی سے پشت ٹکا کر بیٹھ گیا اور بازو سینے پر لپیٹ لیے۔

"اپنی نام نہاد عزت پر حلف اٹھنے پر تکلیف تو بہت ہوئی ہوگی آپ کو۔ کیوں صحیح کہہ رہا ہوں نا؟ اُس کی آنکھوں میں تمسخر ابھرا۔ اشارہ آج اپنے ہی آفس میں ہونے والی گرفتاری کی جانب تھا کیوں آج ہونے والے واقعے کی بدولت اگلے کئی روز تک اُس کی ذات چہ موگئیوں کا شکار ہونے والی تھی۔

"اپنی حد تجاوز نہ کرو عون صاحب۔" گویا وہ اُسے اُس کی حدود یاد دلارہا تھا پر عون اُس کی بات پر محظوظ ہوتے لب سکیڑے۔ وہ اب بھی مُنفعِل ہونے کے بجائے ہٹ دھرمی سے اُسے جواب دے رہا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا تھا کہ اگر تم مجھے اس قسم کی بے باک اور بہودہ تصویریں بھیجو گے تو میں تم جیسے بے غیرتوں کی طرح اپنی بیوی پر الزام لگانے لگ جاؤں گا؟ اتنی ہی مردانگی تھی تو خود آکر میرے ہاتھوں میں وہ لفافہ دیتے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سب بتاتے۔ پر تم تو بزدل نکلے ڈر کر بے نام لفافہ ہی بھیج ڈالا۔ تف ہے تم پر تیج انسان۔" اتنی اہانت پر مجیب کا چہرہ سرخ بھبھو ہو گیا اور کپٹی کی رگیں تن گئیں۔

"تو جو مرضی کر لو تم تصویریں تو وہ زینہ ہی کی تھیں۔ آنکھوں دیکھا جھٹلا رہے ہو۔" مطلب وہ سیدھا سیدھا تسلیم کر رہا تھا کہ تصویریں بھیجنے والا بذات خود ہی تھا۔ پر اب کی بار عون غصہ ہونے کے بجائے بھرپور انداز میں مسکرایا۔

"مجیب کمال صاحب تو آپ مان رہے ہیں کہ تصویریں بھیجنے والے آپ ہی تھے۔ گڈ ویری گڈ۔ کیا کہہ رہے تھے تم اُن تصویروں میں زینہ تھی پر مجھے تو میری بیوی کہیں نہیں دکھی۔" وہ اُس کے غصے کو مزید تاؤ دے رہا تھا۔ فہمائی نگاہیں اب بھی اُس پر مرکوز تھیں۔

"میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں"۔ وہ ایک دم غرایا۔

"تمہیں موقع ملے گا تو تم کچھ کرو گے۔" وہ درشتگی سے آپ سے تم پر اتر آیا۔ پھر ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے سے پیوست کر کے ٹیبل پر دھرے ایک طائرانہ نگاہ اُس پر ڈالی۔

"اب کان کھول کر میری بات سن لو تم بھی جانتے ہو کہ تم یہاں کیوں ہو اور میں بھی جانتا ہوں اس لیے شرافت سے منہ بند کر کے مری بات سنو۔ اس وقت تم جس کمپنی میں بیٹھے کام کر رہے ہو درحقیقت وہ میری بیوی کہ باپ کی سربراہی میں ہے اور مجھے نہیں لگتا کہ تم کسی قسم کا اسکیڈل انفرڈ کر سکتے ہو۔ کیونکہ اگر میں نے حریس کرنے کا کیس درج کروا دیا تو نہ صرف تم اپنی عزت جو محض صرف نام کی ہے، اپنے عہدے اور مال و دولت سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔" اُس کی آنکھوں سے جھلکتی تنبیہ اور چہرے پر چھائی سختی دیکھ کر مجیب کی آنکھوں میں سایہ لہرایا مگر ایک بار پھر اُس نے خود پر تقاضر کا خول چڑھا لیا۔

"زینہ میری بیوی ہے میری عزت اور میں خود سے منسلک لوگوں کے ساتھ کی گئی زیادتی کو نہیں بھولتا مجیب کمال صاحب۔ اب اگر تم کبھی بھی میری بیوی کہ قریب بھٹکے اُس پر اپنی غلیظ نگاہیں ڈالیں تو یاد رکھنا اُس سے اگلے دن ہی تم سلاخوں کے پار ملو گے اور میری باتوں کو ہلکامت لینا۔ میں زینہ بتول کا باپ نہیں ہوں اُس کا شوہر ہوں سمجھے۔" اپنی آخری بات پر اُس نے کافی زور دیا۔

"کیا ثبوت ہے تمہارے پاس؟" وہ آگے سے ایک بار پھر غرایا۔ عون کا سکون اُسے مزید تمللانے پر مجبور کر رہا تھا۔ "تو مجھ سے پہلے تم زینہ کے کمرے میں موجود نہیں تھے؟ کیا تم نے میری بیوی کو حراسہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی؟" عون نے انتہائی ضبط سے مٹھیاں بھیجنے خشمگین نگاہوں سے دیکھا۔ "ہاں میں ہی تھا کیا کر لو گے تم؟" اپنی دھن میں ڈھٹائی سے چلایا مگر اُس کے جواب میں عون نے فحانہ نگاہوں سے اُس دیکھا اور آبرو اچکائی۔

"نہایت ہی بے غیرت انسان ہو تم مگر چلو جرم کو تسلیم کرنا بھی اچھا ہوتا ہے۔ اب ذرا میری پشت کے الٹے ہاتھ پر لگے اسٹینڈ کے سامنے ہاتھ بھی ہلا دو تا کہ تمہارے مدح غش کھا کر گر جائیں۔" اور اس بات پر مجیب کی بھک سے اڑی اور اُس نے فوراً اُسی جانب دیکھا کیونکہ وہ خالی اسٹینڈ نہیں تھا بلکہ اُس پر چھوٹا سا کیمرہ اُٹچ تھا۔ اُس کا تیج و تاب مزید بڑھ گیا۔

"تم میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں۔" وہ یک دم مشتعل ہو کر آگے کو ہوا۔

"اچھا کیا کرو گے تم میرا قتل۔ مگر وہ تم کر نہیں سکتے کیونکہ نہ تو تم کوئی امیر زادے ہو نہ ہی کوئی تمہیں بچائے گا اپنے خلاف ثبوت تم خود فراہم کر رہے ہو۔ اگر میں قبر میں اُتروں گا تو تم بھی سلاخوں کے پیچھے ہی ملو گے۔" ہتک آمیز لہجے میں بولتا وہ ایک لمحے کے لیے مسکرایا پھر اپنی کرسی سے کھڑا ہوا۔

"مجیب کمال صاحب میرا دیا گیا سبق اپنے دماغ میں بیٹھا لینا۔ زینہ بتول فقط صرف عون اسحاق کی ہے۔ تم سے یا تمہارے گھٹیا خاندان سے اُس کا کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ اپنے الفاظ دہرانے کا عادی نہیں ہوں میں۔" جھک کر اُسے تہدید، دھمکی سے نوازتا سیدھا ہوا۔

"لیں جائیں گیں تمہیں یہ واپس۔ کہہ دینا غلط شبہ ہوا تھا اور اگر نہیں بولو گے تو ٹھیک ہے مجھے کال کر لینا میں ثبوت لے کر پہنچ جاؤں گا۔" بھرپور انداز میں مسکرایا پھر ایک آخری نگاہ اُس کے چہرے پر ڈالی اور نکلتے ہوئے ایک دم پھر سے مڑا۔

"اور ہاں اپنی والدہ محترمہ کو بول دینا کہ وہ جو زمین کا ٹکڑا تھا اُس پر اپنا مقبرہ بنالیں کیونکہ میری بیوی کو اُس بھیک کی ضرورت نہیں ہے۔ میں خود اُسے سب کچھ دے دوں گا۔"

☆☆☆

کیچن میں امی کے پاس کاؤنٹر پر بیٹھا گاجر کتر ہا تھا۔ آفس سے آنے کے بعد کپڑے بدل کر وہ سیدھا یہیں آیا تھا۔ امی مسکرا کر کوئی بات کر رہی تھیں جبکہ وہ بغور اُن کی بات سنتا سر ہلارہا تھا۔ جب امی نے ڈش اٹھا کر سامنے رکھی۔

"کیا کرنے لگی ہیں؟" اُس کا اشارہ ڈش کی جانب تھا۔

"زینی کی لیے کھانالے کر جارہی ہوں صبح سے ناشتے کے بعد کچھ نہیں کھایا۔" ایک نگاہ اُس پر ڈال کر مڑ گئیں عون چھلانگ مار کر نیچے اُتر۔

"ٹھہریں میں لے کر آتا ہوں آپ ٹیبل پر کھانا لگائیں۔" اُس کی بات پر عون کی امی اُس کی جانب گھومی اور مسکرا کر سر ہلا دیا۔ عون نے باقیہ بچی گاجر پلیٹ میں رکھی اور پھر مڑ گیا۔ کمرے کے سامنے ٹھہرا دستک دی اور اندر داخل ہو گیا۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی وہ کھڑکی کے سامنے پڑے صوفے پر برجمان ملی۔

"کیسی ہو زینہ؟" مسکرا کر ایک طائرانہ نگاہ اُس پر ڈالی۔

"ٹھیک ہوں۔" زینہ نے سنجیدگی سے سر ہلاتے جواب دیا۔

"میں حویلی گیا تھا پچھلے دنوں اور تمہارے سارے کاغذات کا مطالبہ کر کے آیا ہوں۔ اُنھوں نے بولا ہے کہ وہ سب بھجوا دیں گیں۔ تمہیں اس لیے بتا رہا ہوں کہ مجھے پروجیکٹ کے سلسلے میں اسلام آباد جانا ہے اگر پارسل آئے تو رسیو کر کے دیکھ لینا ٹھیک طرح۔" اُس کی بات پر زینہ نے سر کو اثبات میں ہلا دیا۔

"اب آ جاؤ باہر۔" پینٹ کی جیب میں ہاتھ اڑتے دو قدم آگے آیا تو زینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اُسے دیکھا۔
"کیوں؟"

"کیا یار کھانا کھانے آ جاؤ امی نے بولا ہے کہ اُن کی بہو کو باہر لے آؤں۔" مسکراہٹ ضبط کرتے متین سے لفظ بہو پر بہت زور دیا تو زینہ نے حیرت سے اُسے دیکھا۔

"یار آ جاؤ زینہ بتول بہت بھوک لگ رہی ہے۔" اُس کو اُسی پوزیشن میں بیٹھا دیکھ کر منہ بسورتے مڑ گیا تو زینہ نے ایک گہرا سانس بھرا اور ٹانگیں نیچے لٹکا کر پیروں میں چپل اڑا سی۔ پھر ڈوپٹہ ٹھیک کرتی کمرے سے باہر نکل

آئی۔ عون کی امی کھانا ٹیبل پر لگا کر خود اپنی کرسی سنبھال چکی تھیں اُن دونوں کو آگے پیچھے آتے دیکھ کر دل سے مسکرائیں۔ عون نے ٹیبل کے سامنے رک کر امی کے عین سامنے والی کرسی کھینچی پھر اپنی سربراہی کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ زینہ کے لیے اشارہ تھا کہ وہ یہی بیٹھے گی جسے زینہ سمجھ بھی گئی تھی اس لیے خاموشی سے آکر بیٹھ گئی۔ عون نے باری باری دونوں کو دیکھا۔

"چلو کھانا شروع کرو بچوں۔" امی نے اپنی پلیٹ پر روٹی رکھتے عون کی جانب ایک بڑھائی تو اُس نے پکڑ کر اُسے زینہ کے سامنے پڑی پلیٹ میں رکھ دیا۔ زینہ نے جھک کر اٹھا کر دیکھا تو نرمی سے مسکرا دیا۔ پھر امی سے روٹی لے کر کھانے میں مصروف ہو گیا ساتھ ہی گا ہے بہ گا ہے وہ دونوں ماں بیٹے بیٹھے ہنستے مسکراتے معمول کی طرح باتیں کرتے رہے جبکہ زینہ خاموشی کے ساتھ چھوٹے چھوٹے لقمے لیتی کھانا کھاتی رہی۔

☆☆☆

پھر اگلے ہی دن عون اسلام آباد روانہ ہو گیا۔ تو زینہ پھر معمول سے ہٹ کر پورے دن عون کی امی کے ساتھ پھیر کر کام کرواتی رہتی۔ شام میں اُن کے ساتھ مل کر چائے پیتی اور اس دوران وہ اُسے عون کی باتیں بتاتی رہتیں۔ اُسی عام سے دن کی طرح لاؤنج کے صوفے پر عون امی برجمان تھیں جبکہ زمین پر اُن کے عین سامنے زینہ چوکڑی مارے بیٹھی تھی۔ عون کی امی انہماک سے اُس کے بالوں میں تیل لگا رہی تھیں۔

"اتنے لمبے اور پیارے بالوں کا تم نے کتنا بُرا حشر کر لیا زینہ۔" اُنھوں نے پیار سے ایک چپت اُس کے سر پر رسید کی تو وہ مدھم سا مسکرا دی۔ پچھلے ایک ہفتے سے وہ مسلسل اُس سے بول رہی تھیں پر وہ ہر بار اُنہیں ٹال رہی تھی مگر آج اُنھوں نے زبردستی کھینچ کر اُسے اپنے سامنے بیٹھا کر دھر لیا تھا۔

"زینی تم اب ہمیشہ مجھ سے مالش کروانا۔" اُن کی بات پر یک دم اُس کی مسکان پھینکی پڑ گئی اور اگلے ہی پل عون کی امی کو احساس ہوا کہ شاید وہ کچھ غلط بول گئیں۔

"زینی بُرا لگ گیا کیا بچے۔" متاسف نگاہوں سے اُس کے جھکے سر کو دیکھا تو زینہ نے سر نفی میں ہلایا۔

"میں کیا کروں زینہ مجبور ہوں۔ میں نے عون اور تمہارے لیے اپنے دل و دماغ میں ارمان پال رکھے ہیں۔ تم دونوں ہی میرے دل کے بے انتہا نزدیک ہو۔" نقاہٹ سے بولیں اور پھر واپس اُس کے سر کی مالش کرنے لگی۔ مگر پھر تھوڑی دیر بات اُس کی چپ محسوس کر کے واپس خوشگوار موڈ میں ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگیں۔ وہ نہ عون اور اُس علیحدگی چاہتی تھیں اور نہ ہی زینہ کے سر اپنی مرضی مسلط کرنے کو تیار تھیں۔ اس لیے فیصلہ اُن پر ہی چھوڑ دیا۔

☆☆☆

عون نے مسرور انداز میں گھر کے باہر گاڑی پارک کی اور آہستگی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ دروازے کو اچھے سے بند کرنے کے بعد تسلی کی اور واپس مڑ کر لاؤنج کی جانب بڑھ گیا۔ امی کو فون پر اُس نے بتایا تھا کہ اُس کی واپسی کے امکانات اتوار کی رات یا پیر کی صبح میں ہیں مگر کام جلدی ختم ہونے کی صورت وہ ہفتے کی شام کو نکل گیا تھا۔ گزرتے ہوئے اُس کی نظر بالکنی کے کھلے دروازے کی جانب پڑی جو رات کے وقت ہمیشہ بند ہوتا تھا۔ تجسس کے مارے اُس نے کندھے پر دھرا بیگ صوفے پر رکھا اور محتاط انداز میں قدم اُٹھاتا اُس جانب آیا تو نگاہ اُس کی پشت سے ٹکرائی جو سیاہ رنگ کا جوڑا پہنے اُس رات کا ایک حسین حصہ معلوم ہو رہی تھی۔ ہوا کی بدولت پشت پر بکھرے بال ہوا کے سنگ لہرا رہے تھے۔ وہ محویت سے سرائق کی جانب اُٹھا کر چاند کو دیکھ رہی تھی۔ عون قدم اُٹھاتا اُس کے برابر ریلنگ کے نزدیک جا کر کھڑا ہوا۔

"زینہ" وہی نرم آواز جب زینہ کی سماعت سے ٹکرائی تو یک دم اُس نے منہ موڑا۔

"آپ کب آئے؟" شک سے آنکھیں پھیلانے وہ سوال کر رہی تھی۔ عون اُس کے تاثرات دیکھ کر ہلکا سا مسکرایا۔

"جب تم پوری دنیا سے غافل ہو کر چاند کو دیکھ رہی تھی۔" اُس کے جواب پر زینہ نے واپس گردن موڑی۔

"امی کہاں ہیں؟"

"سو گئیں۔" زینہ نے جواب دیا۔

عون نے اُس کو دیکھا اب رنگت کی زردی بالکل سرے سے ختم ہو چکی تھی جب کے رنگ نکھر نکھر اہور ہا تھا جبکہ صحت بھی بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ وہ ویسے بھی اُس سے بات کر کے حتمی فیصلہ کرنے کا سوچ کر آیا تھا۔ کل بھی پوچھنا ہی تھا آج ہی پوچھ لینے میں بھی کوئی حرج نہیں تھا۔ ہمت مجتمع کر کے اُس نے گہرہ سانس بھرا۔

"زینہ کیا تم اپنے کیے گئے مطالبہ پر اب بھی قائم ہو؟ کیا تم اب بھی مجھ سے طلاق لینا چاہتی ہو؟ کیا تمہارے دل میں میرے لیے تھوڑی سی بھی جگہ نہیں ہے۔ میں تمہارے ہمراہ زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ ایک موقع تو دو مجھے۔" اُس کی بات پر زینہ نے نظروں کا ارتکا زبدل کر اپنے برابر کھڑے شخص کو دیکھا جس کے چہرے پر تھکن عیاں تھیں، نیلی ڈریس شرٹ کی آستینیں فولڈ کر رکھی تھیں، اور بال پیشانی پر بکھرے تھے۔ سب سے آخر میں اُس نے اُن بادامی آنکھوں کو دیکھا مگر ہنوز خاموش رہی۔

"ٹھیک ہے اگر تم نے میرے ساتھ نہیں رہنا تو پھر میں تمہاری بات مان لیتا ہوں مگر اُس کے بعد تمہاری رہائش کا انتظام میں خود کروں گا بھلے تمہارا مجھ سے کوئی رشتہ نہ رہے پر امی سے تو ہے نا۔ میں تم پر کسی قسم کی زور زبردستی

نہیں کروں گا تم اپنے فیصلوں میں آزاد ہو۔" اُس کو چپ پا کر پانچ منٹ کے توقف کے بعد وہ شکستہ دل سے نظریں اُس کے چہرے سے ہٹا کر اپنی آواز کی لڑکھٹ پر قابو پاتے آہستگی سے بولا۔ یہ بات وہی جانتا تھا کہ اُس نے پوری بات کتنی مشکل سے کی تھی۔

"آپ مجھے سے اُس دن پوچھ رہے تھے ناکہ میں نے اُن کے سامنے اپنا دفاع کیوں نہیں کیا؟" زینہ نے اُس کی بات کے جواب میں اُس کا بہت دنوں پہلے پوچھا گیا سوال دہرایا تو عون نے نگاہوں کا ارتکا زبدل کر اُسے دیکھا۔

"پتا ہے عون میں بھلے جتنی مرضی دلیلیں، صفائیاں اور وضاحتیں کیوں نہ دی دیتی وہ میری ہر بات کو رد کر دیتے۔ میرا کچھ بھی بولنا بے سود تھا۔ جہاں پر مجھے بچپن سے کسی قسم کا حق ہی نہیں ملا جہاں میری ذات کی کوئی اہمیت نہیں تھی وہاں میرے الفاظ کو کیوں اہمیت دی جاتی۔ وہ عون اسحاق نہیں تھے جو آنکھوں دیکھا جھٹلا کر مجھ سے وضاحت طلب کرتے۔" وہ ٹھہری اور برجستہ اُس کی بادامی آنکھوں کو دیکھا۔

"آپ جانتے ہیں مجھے صرف مان، عزت اور تحفظ فقط صرف یہ تین چیزیں چاہیں۔ آپ مجھے دیں گیں یہ سب؟" اپنی انگلیوں پر گنتے اُس نے عون کو اُمید سے دیکھا تو اُس نے سر اثبات میں ہلایا۔

"آپ بابا کی طرح مجھے کبھی گھر سے باہر تو نہیں نکالیں گیں۔ کیا آپ مجھے مان اور عزت و تکریم مہیا کریں گیں؟"

"کسی کی بھی بات پر بھروسہ کرنے سے پہلے ہمیشہ مجھے سے جواب، وضاحت طلب کریں گیں۔" مجھے کچھ نہیں چاہیے عون سوائے ایک پُر سکون زندگی کے میں تھک گئی ہوں بچپن سے لے کر آج تک اکیلے دنیا کا سامنا کرتے کرتے۔ میرے زندگی میں دو مردوں نے انتہائی منفی اثر مرتب کیا ہے ایک میرا سگے بابا جنہوں نے مجھے مان دیا اور نہ ہی پیار، دوسرا وہ غلیظ انسان جس نے میری زندگی میں جو تھوڑا سا سکون تھا وہ بھی ختم کر دیا۔ اب آپ ہیں مجھے ڈر

ہے کہ کہیں آپ بھی اُن دونوں کی طرح میری ذات کی دھجیانہ اڑادیں۔ محض ایک عورت ہونے کی بدولت آج تک مجھے ہر قسم کی اذیت دی گئی ہے۔ اب کی بار اگر کچھ ایسا ہوا تو میں بہت بُرے طریقے سے بکھروں گیں۔" وہ بھرائی آواز کے ساتھ عون کے سامنے اپنا خوف بیان کر رہی تھی وہ تھک گئی تھی اپنے دل و دماغ میں چلتے تضاد سے وہ بھی سکون چاہتی تھی ایک اچھی زندگی، ایک مکمل فیملی جہاں اُسے اپنائیت، عزت اور محبت کا احساس ہوتا۔ عون نے اُس کی نم آنکھیں اور قرب سے بھرے چہرے کو دیکھا پھر دو قدم اُس کے نزدیک ہوا۔

"زینہ میرا خدا گواہ ہے۔ اپنی امی کے بعد تم وہ واحد عورت ہو جس کا مقام میرے دل میں بہت معتبر ہے۔ اگر مجھے تم سے کوئی بھی مسئلہ ہوتا تو میں تمہیں اُسی دن وہاں چھوڑ آتا ورنہ جب تم نے مجھ سے علیحدگی کا مطالبہ کیا تھا تو کھڑے کھڑے تین بول بول کر ہاتھ پکڑ کر نکال دیتا مگر میں تمہیں اول روز سے ہی اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہوں اپنے قریب۔ تم ایک بار بھروسے اور اعتماد سے میرا ہاتھ تھام کر دیکھو تم کبھی نہیں پچھتاو گی۔ تم ہمارے بچ میں دراڑ ڈال کر فاصلہ بڑھا رہی ہو۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ مجھے تم سے کوئی جلالی قسم کی محبت لاحق ہے مگر ہاں تمہارے لیے میرے دل میں ایک خاص مقام ہے احترام ہے، عزت ہے۔ اور جانتی ہو میری نظر میں احترام محبت کی پہلی سیڑھی ہے۔ جہاں دو لوگ ایک دوسرے کے ساتھ پر خلوص ہوں وہاں محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ تم میری ملکیت ہو میری زندگی کی ملکہ۔" ٹھہرے ہوئے لہجے میں محبت پاش نگاہیں اُس کے چہرے پر مرکوز کیے وہ اُسے اپنے جذبات بتا رہا تھا۔ زینہ نے اُس کی سحر زدہ بادامی آنکھوں کو دیکھا جن میں نرم گرم سا تاثر تھا۔ اُس کے اپنے دل نے ایک موقع دینے کے لیے اقرار کیا۔ ایک آنسو پلکوں سے جدا ہو کر اُس کے رخسار پر گرا تو عون نے اپنا ہاتھ سے اُسے صاف کیا پھر جھکا اور باری باری اُس کی آنکھوں کو نرمی اور عقیدیت سے چوما۔

"زینہ تمہیں پتا ہے تمہاری یہ سیاہ آنکھیں کتنی حسین ہے۔ ہر بار جب میں اُن میں گھلی نمی دیکھتا ہوں تو مجھے اذیت ہوتی ہے۔ کم رویا کرو یا ر۔" وہ صدق دل سے اُس کے سامنے کھڑا آج ساری باتیں اُسے بتا رہا تھا۔ زینہ نے جھکی نگاہیں اٹھا کر اُسے دیکھا اور عنابی ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھل گئے جس پر عون بھی دل سے مسکرا دیا۔ زینہ نے ایک قدم آگے بڑھایا اور فاصلہ سمیٹتے اُس کے دل کے مقام پر اپنا سر رکھ دیا۔ آج سے ایک مہینہ قبل وہ اُس کے ساتھ سہم کر لگی تھی۔ اُس وقت رات کے اُس اندھیرے میں اُسے عون کسی فرشتے سے کم نہیں لگا تھا۔ پھر آج تو وہ اُس کا محرم تھا اور لاشعوری طور پر وہ اُس سے تحفظ کی طلب گار تھی اور آج کی رات وہ اُس کے سینے سے اپنے پورے ہوش و حواس میں لگی تھی کیونکہ اب وہی ایک شخص تھا جو اُس کا مان رکھنا جانتا تھا، وہ سہارا دینا جانتا تھا۔ عون نے مسکرا کر اُسے اپنے بازوؤں کا حصار میں لیا پچھلی بار وہ تشویش میں گھیرا تھا اور آج وہ اُس کو تحفظ کا احساس دلا رہا تھا۔

"زینہ بتول یہ عون کا تم سے وعدہ ہے کہ آخری دم تک تمہارا ساتھ دے گا۔"

اُس کے سر پر ٹھوڑی ٹکائے بشاشت سے بولا۔ ملگجے اندھیرے میں قتموں سنہری رات کھلے آسمان تلے وہ ایک دوسرے کے انتہائی قریب کھڑے ایک دوسرے کی دھڑکنوں کو سن سکتے تھے۔

وہ عون اسحاق اسی معاشرے کا ایک مرد جس نے دستور العمل توڑ کر زینہ بتول کو اُس کی سولی پر چڑھنے سے بچا لیا تھا کیونکہ وہ مان، تحفظ اور عزت دینا جانتا تھا۔ اُس نے نسوانی عنا کو مجروح ہونے سے بچا لیا تھا۔

لوگ عورت کو فقط جسم سمجھ لیتے ہیں

روح بھی ہوتی ہے اُس میں یہ کہاں سوچتے ہیں

روح کیا ہوتی ہے اس سے انہیں مطلب ہی نہیں

وہ تو بس تن کے تقاضوں کا کہامانتے ہیں
 رُوح مر جائے، تو ہر جسم ہے چلتی ہوئی لاش
 اِس حقیقت کو سمجھتے ہیں نہ پہچانتے ہیں
 کئی صدیوں سے یہ وحشت کا چلن جاری ہے
 کئی صدیوں سے ہے قائم یہ گناہوں کا رواج
 لوگ عورت کی ہر اک چیخ کو نغمہ سمجھیں
 وہ قبیلوں کا زمانہ ہو، کہ شہروں کا سماج
 جبر سے نسل بڑھے، ظلم سے تن میل کرے
 یہ عمل ہم میں ہے، بے علم پرندوں میں نہیں
 ہم جو انسانوں کی تہذیب لیے پھرتے ہیں
 ہم سا وحشی کوئی جنگل کے درندوں میں نہیں
 (ساحر لدھیانوی)

ختم شد

”بسم اللہ الرحمن الرحیم۔۔۔“

اسلام علیکم احباب----

”ناولز کی دنیا“ کے ناولز میں خوش آمدید ----

ناولز کی دنیا (NKD) کی جانب سے ناولز کو بغیر کسی غلطی کے آپ تک پہنچانے کی کوشش کی گئی۔ اگر کوئی غلطی اس میں ملتی ہے تو اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔ کیونکہ ناول کو پورا پروف ریڈ کر کے ہی پبلش کیا جاتا ہے چوک ہونا محض اتفاق ہوگا۔

نئے اور مختلف لکھنے والوں کے لیے ”ناولز کی دنیا“ ویب سائٹ / گروپ / پیج / یوٹیوب چینل دے رہا ہے تمام لکھاریوں کو ایک ایسا پلیٹ فارم جہاں آپ اپنی خداداد صلاحیتوں کو اپنے قلم سے تحریر کر کے اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کر سکتے ہیں۔۔۔ اگر آپ کو بھی اللہ کی طرف سے یہ صلاحیت دی گئی ہے تو اسے اجاگر ضرور کریں۔۔۔ ہمیں آپ جیسے ہی لکھاریوں کی تلاش اور ضرورت ہے۔۔۔

اگر آپ ہمارے بلاگز پر اپنا ناول، ناولٹ، افسانہ، کالم، آرٹیکل یا شاعری پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو ہم سے رابطہ کریں۔۔۔ اپنی تحریر اردو میں ٹائپ کر کے ہمیں بھیجیں۔ جتنا جلدی ہو سکا آپ کی تحریر پوسٹ ہو جائے گی۔۔۔

مزید تفصیلات یا کسی بھی طرح کی مدد کے لیے ہم سے گروپ یا پیج انباکس میں رابطہ کریں یا ای میل پر ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔۔۔

Email address :- Novelskiduniya77@gmail.com

Facebook page :- [Novels ki duniya](#)

(user name [@zoyatalib77](#))

Facebook group :- [Novels ki duniya](#)

Instagram Page :- [Nkd \(ZT\)](#) (UserName: [Novelskiduniya77](#))

Youtube Channel: [Novels Ki Dunya \(NKD\) Official](#)

(پر خیال رہے کہ یہ گروپ زویا طالب کا ہی ہو) اور باقی کے رابطے کے لیے ہر پیج کے نیچے [Blue](#) الفاظ میں لکھے لفظ میں آپکو لنکس مل جائے گے شکریہ۔۔۔۔۔